عدالتی خلع کی شرعی حیثیت

مقالہ تحقیق برائے تخصص فی الفقہ والافتاء

مقالہ نگار

محمد اویس اسماعیل بن محمد مدنی

0333-2527105

Owaisismail105@gmail.com

رول نمبر: 1011

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر عبد الحی ابڑو

شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی،

اسلام آباد

مرکز تعلیم و تحقیق اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

اسلام ایک متوازن اور اعتدال والا دین ہے اور زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال چاہتا ہے۔اس کی ایک جھلک اسلام کے عائلی قوانین(Family law) میں نظر آتی ہے اسلام نے خانگی رشتے کو قائم رکھنے کی بھرپور ہدایات کی ہیں مگر جب اس رشتے کو زوجین کے لیے برقرار رکھنا مشکل ہو جائے تو اس صورت میں اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے حقوق کا خیال رکھا ہے۔اگر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نبھ مشکل ہو اور اصلاح کی کوشش کے باوجود ان کا ایک دوسرے کے ساتھ رہنا مشکل ہو رہا ہو تو اس صورت میں جب بیوی کی طرف سے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہو تو مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے اگر مرد کی طرف سے مسائل پیدا کیے جا رہے ہوں تو بیوی کو خلع کا اختیار دیا ہے۔

علمائے دین کہتے ہیں کہ نکاح ایک معاملے کی طرح ہے تو اس میں معاملات بھی باہمی رضامندی سے ہونے چاہیے اب اگر کوئی خاتون کسی وجہ سے خلع چاہتی ہے اور مرد اس پر راضی نہیں ہے تو کیا کیا جائے گا کیا عدالت شوہر کی غیر موجودگی میں خلع کا فیصلہ سنا سکتی ہے یا نہیں آیا اس معاملے میں عدالت کو کچھ اختیارات ہیں یا جب تک مرد راضی نہ ہو خاتون کو اسی کے ساتھ رہنا پڑے گا۔اس مقالے میں عدالت میں کیے گئے خلع کے حوالے سے بحث کی گئی ہے اور اس میں جو اختلاف ہے اس کے بیان کے ساتھ ساتھ دلائل بھی ذکر کیے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں درست بات تک پہنچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

اہمیت وضرورت

عدالتی خلع کے حوالے سے جو مسئلہ ہے یہ موجودہ دور میں ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن چکا ہے یہ صرف پاکستان ہی کا نہیں بلکہ عالمِ اسلام کا ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے جب یہ مسئلہ عدالتوں میں پیش ہوتا ہے تو ججز اس معاملے میں یک طرفہ خلع کا فیصلہ سنا دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کے ناقدین علمائے کرام اس کے خلاف فتاوٰی جاری کر رہے ہیں اس صورتحال میں عوام الناس ذہنی خلفشار کا شکار ہے کہ آیا اس معاملے میں عدالتی فیصلے کی کوئی شرعی حیثیت ہے یا نہیں؟ کیا عدالت کا فیصلہ نافذ العمل ہو گا یا نہیں؟ یہ مسئلہ دنیوی اور شرعی لحاظ سے انتہائی اہم ہے اس کے اثرات دونوں حوالوں سے پڑتے ہیں اور موجودہ دور میں جب اس طرح کے مسائل میں اضافہ ہو رہا ہو تو ان کو ترجیحات میں اول درجے میں رکھتے ہوئے حل کرنا چاہیے تاکہ اس حوالے سے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے حوالے سے جو اشکالات اور اعتراضات ہیں ان کو ختم کیا جا سکے اسی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ

1967ء کے بعد جب پاکستان سپریم کورٹ کے ججز نے شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کے حوالے سے فیصلہ دیا تو یہ معاملہ شدت اختیار کر گیا اور مختلف علمانے اس کی حمایت اور مخالفت میں اپنی آراء پیش کیں اور ان میں سے اکثر صرف فتاویٰ کی صورت میں موجود ہیں خصوصی طور پر اس کے حوالے سے بہت کم علماء نے کام کیا ہے اس پر مزید کام کی ضرورت ہے تاکہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ مسئلہ بالکل واضح ہو جائے۔

اس حوالے سے مختلف علمائے کرام میں اپنی کتابوں میں بحث کی ہے۔ جو کہ درج ذیل ہے۔

- حقوق الزوجین

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اس کتاب میں شوہر کی عدمِ رضامندی، مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات اور اسی طرح خلع کے دیگر مباحث پر گفتگو کی ہے۔

- اسلام میں خلع کی حقیقت

اس کتاب میں مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے عدالتی خلع کے حوالے سے بحث کی ہے۔اور بطورِ خاص 1967ء میں پاکستان سپریم کورٹ نے جو فیصلہ دیا تھا اس کو موضوعِ سخن بنایا ہے۔

- ابواب الخلع

فقہ کی مختلف کتابوں میں باب الخلع کے عنوان سے خلع کے احکامات پر گفتگو کی گئی ہے۔اور اسی میں حکمین کے مباحث پر بھی بحث کی گئی ہے۔

- احکام الخلع فی الشریعة الاسلامیه

عامر سعید الزیباری معاصر مؤلف ہیں۔انہوں نے بھی اپنی اس کتاب میں خلع کے احکامات کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

- احکام الخلع فی الاسلام

دکتور تقی الدین الھلالی نے اس کتاب میں زوجین کے مابین حسنِ معاشرت، نشوز، حکمین کی بحث اور خلع کے احکام ذکر کیے ہیں۔

- الاحوال الشخصية

عالمِ اسلام کے مایہ ناز اسکالر استاذ ابو زہرہ نے اس کتاب میں عائلی قوانین کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔اور اسی میں خلع کے حوالے سے باب قائم کیا ہے۔

بنیادی سوال

- خلع کے معاملے میں شرعی نقطۂ نظر سے عدالتوں کا دائرہ اختیار کیا ہے؟
- شوہر کی رضامندی کب تک ضروری ہے؟
- عوام الناس کا اس مسئلے سے کیا تعلق ہے؟
- تحقیقی نقطہ نظر سے اس کام کی کیا حیثیت ہے؟

فرضیۂ تحقیق

- اس مسئلے کا تعلق ہر صاحب ایمان سے تاکہ اس کے لیے یہ مسئلہ واضح ہو۔
- جب تک اس حوالے سے تسلی بخش کام نہیں ہو جاتا ضرورت موجود رہے گی۔
- صورت مسئلہ اختلافی ہے تو دونوں طرف کی آراء کا سامنے آنا ضروری ہے۔
- جب علمی اور تحقیقی دائرہ کار میں رہتے ہو اس پر بحث ہو گی تو مسئلے کی وضاحت ہو جائے گی۔

منہج تحقیق

- بیانیہ منہج تحقیق اختیار کیا گیا ہے۔
- عدالتوں میں کیے گئے فیصلوں کی رپورٹ
- مستند معاصر علماء کی آراء پیش کرنا
- اسلاف کی کتب سے استفادہ
- دونوں طرف کے دلائل کا موازنہ
- ✓ غیر جانبدارانہ تحقیق
- اور دلائل کی بنیاد پر ترجیح

خاکۂ تحقیق

بابِ اول

خلع کے بنیادی مباحث

- ❖ خلع کا مفہوم
- ❖ خلع کی مشروعیت
- ❖ خلع کی حقیقت
- ❖ خلع کا حکم
- ❖ فسخِ نکاح، طلاق اور خلع میں فرق
- ❖ مسئلے کی وضاحت

بابِ دوم

فتاوٰی، آراء، عدالتی فیصلے

- ❖ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ
- ❖ علامہ محمد یوسف القرضاوی
- ❖ مفتی محمد تقی عثمانی
- ❖ پاکستان سپریم کورٹ کا فیصلہ
- ❖ اسلامی نظریاتی کونسل
- ❖ دیگر معاصر علما کی آراء اور دلائل

بابِ سوم

دلائل کا موازنہ، ترجیح اور وجوہ ترجیح

- فإن خفتم کی تشریح
- دلائل کا موازنہ
- کیا یہ فسخ نکاح کی صورت ہو سکتی ہے؟
- فریقِ ثانی (شوہر) کی رضامندی کی اہمیت کب تک ہونی چاہیے؟
- ترجیح اور وجوہِ ترجیح

بابِ اول

❖ خلع کا مفہوم

• لغوی معنٰی

خلع کا لفظ عربی زبان میں کسی چیز کو اتارنے کے معنٰی میں آتا ہے۔

لسان العرب میں لکھا ہے :

خلع الشيء يخلعه خلعاواختلعه: كنزعه خلع امرأته وخالعها إذا افتدت منه بمالها فطلقها وأبانها من نفسه، وسمی ذلک الفراق خلعا؛ لان الله تعالى جعل النساء لباسا للرجال، والرجال لباسا لهن[1]

(اس نے اس چیز کو اتارا، وہ اسے اتارتا ہے اس کا مصدر خلعاً آتا ہے جیسے کہ کسی چیز کو نکالنا اس نے عورت کو خلع دیا اور اس نے خلع کیا جب خاتون اپنے مال کے ذریعے اس کو فدیہ ادا کرے اور مرد اسے طلاق دے دے اور اس کو اپنے آپ سے جدا کرلے تو اس جدائی کو خلع کہا جاتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کا لباس بنایا ہے)

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو انتہائی خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی ہے جس طرح لباس انسان کو گرمی، سردی سے بچاتا ہے اس کو خوبصورتی عطا کرتا ہے اس کی ستر پوشی کرتا ہے اور اس کے وقار میں اضافے کا باعث ہے اسی طرح شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے غم خوار، رازدان اور مصائب میں معاون و مدد ہوتے ہیں وہ جب ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرتے ہیں تو گویا وہ اپنا لباس اتارتے ہیں اور اس علیحدگی کو علما خلع کہتے ہیں۔

---

1. ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، 8/ 76

- **اصطلاحی مفہوم**

مشہور مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی) کے فقہاو مؤلفین نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے خلع کی مختلف تعریفیں کی ہیں۔چاروں مذاہب کے فقہاو مؤلفین نے خلع کی جو اصطلاحی تعریفیں کی ہیں وہ یہاں ذکر کی جارہی ہیں تاکہ اس کا اصطلاحی مفہوم واضح ہو کر سامنے آجائے۔

فقہ حنفی

ابنِ عابدین حنفی خلع کی تعریف یوں کرتے ہیں:

هو إزالة ملك النكاح المتوقفة على قبولها بلفظ الخلع أو ما فى معناه[1]

(لفظِ خلع یا اس کے ہم معنی لفظ کے ذریعے ملکیتِ نکاح ختم کرنے کو خلع کہتے ہیں جو عورت کے قبول کرنے پر موقوف ہوتا ہے۔)

گویا احناف کے نزدیک خلع کے لیے لازمی چیز لفظ خلع یا ہم معنیٰ لفظ کا ہونا ضروری ہے کیونکہ اگران الفاظ کا استعمال نہ کیا گیا تو پھر طلاق بالمال اور خلع میں کوئی فرق نہیں رہے گا حالانکہ ان دونوں کے احکام الگ الگ ہیں اس لیے خلع میں الفاظ کا خیال رکھنا ضروری ہے تاکہ ان دونوں میں فرق رہے۔اور عورت کے قبول کرنے پر اس لیے موقوف ہے کہ اس نے عوض دینا ہوتا ہے لہذا اس کی رضامندی بھی ضروری ہے۔

فقہ مالکی

مختصر خلیل میں لکھا ہے:

جاز الخلع وهو: الطلاق بعوض وبلا حاكم وبعوض من غيرها إن تأهل[2]

(خلع جائز ہے اور یہ طلاق بعوض اور بلا حاکم اور بیوی کے علاوہ کسی اور سے عوض لینے کا نام ہے اور وہ اس کا اہل بھی ہو۔)

مالکیہ کے نزدیک پہلی بات یہ ہے کہ خلع میں حاکم کا ہونا ضروری نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ عوض کا ہونا ضروری ہے۔

---

1. ابنِ عابدین، حاشیہ ابنِ عابدین، 5 / 87-88
2. مختصر خلیل، دارالحدیث/ قاہرۃ

فقہ شافعی

خطیب شربینی نے خلع کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو فرقة بين الزوجين بعوض بلفظ طلاق أو خلع[1]

(خلع زوجین کے درمیان کسی چیز کے بدلے میں لفظِ طلاق یا خلع کے ذریعے جدائی کا نام ہے۔)

گویا شوافع کے نزدیک خلع میں الفاظ کی اتنی اہمیت نہیں ہے وہ کہتے ہیں کہ لفظ طلاق سے بھی خلع ہو جاتا ہے اور لفظ خلع سے بھی البتہ اس میں عوض کا ہونا ضروری ہے۔اور یہ الفاظ میں فرق اس لیے نہیں کرتے کہ ان کے نزدیک طلاق بالمال اور خلع میں کوئی فرق نہیں ہے۔

فقہ حنبلی

وهو فراق الزوج امرأته بعوض يأخذه الزوج من امرأته أو غيرها بألفاظ مخصوصة[2]

(شوہر کا بیوی کو، اس عوض کے بدلے جو وہ اس سے یا کسی اور سے لیتا ہے الفاظ مخصوصہ کے ذریعے چھوڑ دینا خلع کہلاتا ہے۔)

تعریف کے ان الفاظ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حنبلی فقہا کے نزدیک خلع میں مخصوص الفاظ اور عوض کا ہونا ضروری ہے۔

❖ خلع کی مشروعیت

طلاق کے حوالے سے عمومی نظریہ یہ پایا جاتا ہے کہ یہ صرف شوہر کا حق ہے وہ جب چاہے کسی سبب کی بنا پر یا بغیر کسی سبب کے عورت کو طلاق دے کر اسے اپنے آپ سے جدا کر دے اور اگر طلاق رجعی ہو تو جب چاہے رجوع کر لے اس میں بیوی کی پسند ناپسند کا کوئی اعتبار نہیں ہے البتہ بغیر کسی شرعی عذر کے ایسا کرنا غیر اخلاقی کام ہے۔

جب طلاق کے کلی اختیارات مرد کے ہاتھ میں ہو اور بیوی کا اس معاملے میں کوئی دخل نہیں ہو تو یہ سوال خود بخود ذہن میں آتا ہے کہ اسلام جو نکاح کے معاملے میں لڑکی کی پسند کو ایک مقام دیتا ہے اور شادی کے حوالے سے اس کو قبول اور رد کرنے کا حق عطا کرتا ہے اور جبر کے نکاح کو معیوب سمجھتا

---

[1]. خطیب شربینی، محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفة معانی الفاظ المنهاج، 430/4

[2]. بہوتی، منصور بن یونس، کشاف القناع عن متن الاقناع، 5/ 212

ہے وہ کیسے نکاح کے بعد اس کو شوہر کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گا کہ شوہر جب چاہے اسے اپنے آپ سے علیحدہ کر دے اگر چہ بیوی اس پہ راضی نہ ہو۔اور اگر بیوی شوہر سے ناخوش ہو اس کے ساتھ رہتے ہوئے اس کے لیے ایک مشکلات ہوں اور اس سے علیحدگی چاہتی ہو تو بیوی کو کوئی اختیار نہیں اسے بس اندر ہی اندر کڑھتے رہنا ہے اور اس تعلق کو نباہنا ہے اور اگر وہ کچھ کہے تو اسے اطاعت زوج کا سبق دے کر تسلیاں دینی ہے۔کیا اسلام اس عمل کو پسند کرے گا کہ اس کے احساسات کو پامال کیا جائے اس کی خواہشات کا گلہ گھونٹا جائے اور حد یہ کہ اس ظلم کو اسلام کا نام لے کر روا رکھا جائے پر اسے اس نکاح سے چھٹکارا نہ ملے؟ نہیں! بلکہ اسلام نے جس طرح شوہر کو نکاح ختم کرنے کے حوالے سے اختیار دیا ہے اسی طرح بیوی کو بھی حق دیا ہے کہ وہ بھی اگر چاہے تو اپنے حق کو استعمال کر سکتی ہے اس کے حوالے سے ذیل میں دی گئی نصوص سے ہمیں یہ حق کا معلوم ہوتا ہے۔

فإن خفتم ألا يقيما حدود اللّه فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود اللّه فلا تعتدوها ومن يتعد حدود اللّه فأولئك هم الظالمون (البقرة:۲۲۹)

(اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت اس کو کوئی معاوضہ دے کر اپنے آپ کو اس سے جدا کر لے یہ اللہ کی حدود ہیں پس ان کو نہ توڑو جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا پس وہی لوگ ظالم ہے) مذکورہ بالا آیت سے علماے تفسیر خلع کی مشروعیت کو ثابت کرتے ہیں کہ اگر حدود اللہ پر قائم رہنا ان کے لیے مشکل ہو تو عورت معاوضہ دے کر علیحدہ ہو جائے۔اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی اس کے حوالے سے نظائر ملتے ہیں:

عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده، قال: كانت حبيبة بنت سهل تحت ثابت بن قيس بن شماس، وكان رجلا دميما، فقالت: يارسول الله، واللّه، لولا مخافة الله إذا دخل علي لبصقت في وجهه، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أتردين عليه حديقته ؟ قالت: نعم، قال: فردت عليه حديقته، قال: ففرق بينهما رسول الله صلى الله عليه وسلم.[1]

(عمرو بن شعیبؓ سے روایت ہے وہ اپنے والدؒ اور داداؓ سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں حبیبہ بنت سھل، ثابت بن قیس بن شماسؓ کے عقد میں تھی اور وہ غیر متناسب صورت کے حامل شخص تھے تو اس (حبیبہ) نے کہا یا رسول اللہ اللہ کی قسم اگر اللہ کا خوف نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آیا تھا اس وقت میں

---

1. ابن ماجہ، محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ، ح2057، ص294

اس کے منہ پر تھوک دیتی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ اسے واپس کردو گی؟ اس نے کہا کہ جی ہاں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کا باغ اسے واپس کردو راوی کہتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بیچ جدائی کردی)

عن ابن عباس أن امرأة ثابت بن قيس أتت النبي صلى الله عليه وسلم، فقالت: يا رسول اللّه، ثابت بن قيس، ما أعتب عليه في خلق ولا دين، ولكني أكره الكفر في الإسلام، فقال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: «أتردين عليه حديقته؟» قالت: نعم، قال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: «اقبل الحديقة وطلقها تطليقة»[1]

(ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس کی اہلیہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا یا رسول اللہ ثابت بن قیس کے حوالے سے میں اس کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب نہیں نکالتی مگر یہ کہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ اسے واپس کردو گی؟ اس نے کہا کہ جی ہاں! تو رسول اللہ ﷺ نے (ثابت) کو فرمایا باغ واپس لے لو اور اسے طلاق دے دو)۔

خلع کے حوالے سے ابن رشدؒ کہتے ہیں:

والفقه أن الفداء إنما جعل للمرأة في مقابلة ما بيد الرجل من الطلاق، فإنه لما جعل الطلاق بيد الرجل إذا فرك المرأة، جعل الخلع بيد المرأة إذا فركت الرجل[2]

اور (خلع میں) معاوضہ طے کرنے کی حکمت یہ ہے کہ جو معاوضہ عورت کے لیے طے کیا گیا ہے یہ مرد کے حقِ طلاق کے مقابلے میں مقرر کیا گیا ہے اس لیے کہ جب مرد کو اس صورت میں جب اسے عورت ناپسند حقِ طلاق دیا گیا ہے تو اسی طرح عورت کو بھی جب وہ مرد کو ناپسند کرنے لگے حقِ خلع تفویض کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ دیگر احادیث اور آثار ہیں جنہیں اس حق کے حوالے سے دلیل کی حیثیت حاصل ہے۔

---

1. بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح للبخاری، ح5273، ص943

2. ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، 3 / 950

❖ خلع کی حقیقت

اسلامی شریعت نے جس طرح ایک مرد کو اس صورت میں جب اس کی اپنی بیوی سے نباہ مشکل ہو اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو حقِ طلاق تفویض کیا ہے اسی طرح خاتون کے حقوق کا خیال رکھتے ہوئے جب مرد اسے ناپسند ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو اسے حقِ خلع تفویض کیا ہے۔ خلع میں خاتون یا تو اپنا مہر معاف کر دیتی ہے یا کسی معاوضہ پر یہ معاملہ طے پاتا ہے اگر زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اس کے لیے وہ معاوضہ وصول کرنا جائز نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿ ولا يحل لكم أن تأخذوا مما آتيتموهن شيئا إلا أن يخافا ألا يقيما حدود اللّه ﴾ (البقرة 229:2) (اور یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو مگر یہ کہ ان دونوں کو خوف ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے) اور ایک مقام پر فرمایا ﴿ولا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتيتموهن﴾ (النساء: 19) (اور انہیں تنگ کر کے جو کچھ ان کو دے چکے واپس لینے کی کوشش نہ کرو)

البتہ اگر زیادتی بیوی کی طرف سے ہو تو اس مرد کے لیے وہ معاوضہ وصول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ سابقہ آیت میں ہی اللہ فرماتے ہیں ﴿إلا أن يأتين بفاحشة مبينة﴾ (النساء: 19) (مگر یہ کہ وہ کھلی فاشی کا ارتکاب کرے) یاد رہے کہ طلاق اور خلع کے حقوق آخری چارۂ کار کے طور پر ہی استعمال کیے جائیں گے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق کے لیے بے شمار قیود مقرر کی ہیں اور نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

عن عبد الله بن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أبغض الحلال إلى الله الطلاق[1]

(اللہ کے نزدیک حلال کاموں میں سے مبغوض ترین کام طلاق دینا ہے)۔

اور خلع کے حوالے سے فرمایا:

أيما امرأة اختلعت من زوجها من غير ما بأس، لم ترح رائحة الجنة [2]

---

1. ابنِ ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، سنن ابنِ ماجہ، ح2018، ص289

2. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، ح1186، ص379

(جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے خلع طلب کرے تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہے۔)

نیز ارشاد فرمایا:

المختلعات هن المنافقات[1] (بے جا خلع لینے والیاں منافق ہیں)

اتنی سخت بات کہ وقت بے وقت اور بغیر کسی سبب کے طلاق دینے والا اگرچہ جائز کام کر رہا ہے مگر اس کے باوجود وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ترین کام کر رہا ہے اور اسی طرح بے جا خلع کا مطالبہ کرنے والیوں کے لیے اتنی سخت وعید کہ جنت کی خوشبو بھی ان پر حرام کر دی گئی اور اسی طرح انہیں منافقات کا لقب دیا گیا ہے۔

❖ خلع کا حکم

اسلامی شریعت میں جو حکم بھی ہو گا وہ باختلاف رائے پانچ یا چھ صورتوں سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ فرض ہوگا یا واجب (اختلافی صورت)، مباح، حرام، مکروہ یا مندوب میں سے کوئی ایک ہوگا۔ خلع کا شمار بھی حکم شرعی میں ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں بھی شرعی احکامات لاگو ہوتے ہیں تو ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ خلع کا حکم کیا ہے؟ علمائے کرام کی آراء اس حوالے سے مختلف ہیں ذیل میں ان آراء کا ذکر ہے۔

ابن الھمامؒ لکھتے ہیں:

والأصح حظره إلا لحاجة للأدلة المذكورة[2]

(زیادہ درست بات یہ ہے کہ کسی ضرورت کے بغیر خلع لینا ان دلائل کی بنیاد پر جن کا ذکر گزر چکا مکروہ ہے۔)

خطیب شربینیؒ کہتے ہیں:

مكروه لما فيه من قطع النكاح الذي هو مطلوب الشرع[3]

---

1. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن ترمذی، ح1186، ص379
2. ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد، فتح القدیر، 3/ 465
3. خطیب شربینی، شمس الدین محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنھاج، 4/430

(خلع مکروہ ہے اس لیے کہ شرعاً نکاح کا مقصود اس(نکاح) کو باقی رکھنا ہے اور خلع کی صورت میں اس کو توڑنا لازم آئے گا۔)

حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ کا نقطۂ نظر اس حوالے سے یہ ہے:

وهو مكروه إلا في حال مخافة أن لا يقيما أو واحد منهما ما أمر به[1]

(خلع مکروہ ہے سوائے اس حالت کے جس میں اس بات کا اندیشہ ہو کہ وہ دونوں یا ان میں سے کوئی ایک جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے (حدود اللہ کے قیام کا) اس کو برقرار نہیں رکھ سکتے ہیں)

ابنِ قدامۃ حنبلیؒ کی رائے کے مطابق:

ولو خالعته لغير ما ذكرنا، كره لها ذلك، ووقع الخلع[2]

(اگر بیوی نے اپنے شوہر سے خلع کیا ان وجوہات کے بغیر جو ہم نے ذکر کی ہیں تو اس کے لیے خلع لینا مکروہ ہے البتہ اگر خلع کیا تو وہ واقع ہو جائے گا۔)

امام سرخسی کہتے ہیں کہ:

الخلع جائز[3] خلع جائز ہے۔

محمد بن ابی العباسؒ کے مطابق

وهو مكروه وقد يستحب كالطلاق وسواء في جوازه حالة الشقاق والوفاق[4]

(خلع مکروہ ہے اور مستحب بھی ہے جس طرح کہ طلاق ہے اور اس کا جواز برابر ہے چاہے میاں، بیوی کے باہمی اختلاف کی صورت میں ہو چاہیے اچھے تعلقات کے دوران ہو۔)

اس تفصیل کی روشنی میں درج ذیل صورت سامنے آتی ہے۔

---

[1]۔حافظ ابن حجر، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، 396/9

[2]۔ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی لابن قدامہ، 270/10

[3]۔سرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، المبسوط، 3 /199

[4]۔رملی، محمد بن ابی العباس، نہایۃ المحتاج الی شرح المنہاج، 6 / 393

1۔اگر بیوی بلاوجہ شوہر سے خلع کا مطالبہ کرے تو اس صورت میں خلع لینا بیوی کے لیے شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ کام ہے۔اس لیے کہ شریعت نے خلع کے حوالے سے فرمایا ہے کہ:

أيما امرأة اختلعت من زوجها من غير ما بأس، لم ترح رائحة الجنة [1]

(جو عورت اپنے شوہر سے بغیر کسی وجہ کے خلع طلب کرے تو وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہے۔)

2۔اور اگر میاں، بیوی دونوں کو اندیشہ ہو کہ ان کے لیے حقوق زوجیت ادا کرنے مشکل ہے اور ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نباہ مشکل ہے تو ان کے لیے خلع لینا مباح ہے۔اس لیے شریعت نے بھی خلع کے حوالے سے یہ سبق دیا ہے کہ اگر تمہیں حدود اللہ قائم نہ رکھ پانے کا اندیشہ ہو تو خلع لیا جاسکتا ہے۔قرآن مجید کا حکم ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيما حُدُودَ اللَّهِ فَلا جُناحَ عَلَيْهِما فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ

اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت اس کو کوئی معاوضہ دے کر اپنے آپ کو اس سے جدا کرلے [2]۔

یعنی جب شوہر کے حقوق ادا نہ کر سکنے کا خوف ہو، یا کوئی اور سبب ہو تو اس صورت میں خلع لی جاسکتی ہے۔

3۔اگر شوہر بلاوجہ بیوی کو تنگ کرتا ہے تاکہ وہ اس سے خلع لے لے تو اس صورت میں شوہر کے لیے خلع کے لیے بیوی کو مجبور کرنا مکروہ عمل ہے۔اور اس کے لیے اس خلع کے بدلے پیسے لینا بھی مناسب نہیں۔

4۔اور اگر بیوی خود سے خلع لینا چاہتی ہے اور شوہر نے اس کو مجبور (Force) نہیں کیا تو پھر شوہر بلا کراہت خلع کا معاوضہ لے سکتا ہے۔

5۔اگر تمام معاملات ٹھیک جارہے ہوں اور حدود اللہ کی پامالی کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو تو اس صورت میں ان دونوں کا آپس میں خلع کا معاملہ کرنا دونوں کے لیے مکروہ ہے۔

1۔ترمذی، محمد بن عیسٰی، سنن ترمذی، ح1186، ص379

2۔ البقرة 2: 229

❖ فسخِ نکاح، طلاق اور خلع میں فرق

فسخِ نکاح اور طلاق میں فرق در حقیقت طلاق کی تعداد کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ اس کی حقیقت کے حوالے سے فرق ہے۔

• فسخِ نکاح

نکاح فسخ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کا جو معاہدہ فریقین کے مابین ہوا تھا اسے بالکل ختم کر دینا اور اس سے میاں، بیوی کے درمیان جو حلت ہوتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب میاں، بیوی آپس کی ناچاقی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ رہنا نہ چاہتے ہوں یا کوئی ایسی صورت/سبب ہو جس میں نکاح فسخ ہوتا ہو تو ان کا ازدواجی تعلق ختم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں خاتون اس مرد سے جدا ہو جاتی ہے اور وہ خاتون بائنہ کہلاتی ہے اب اگر جدائی کے بعد وہ دونوں اس تعلق کو دوبارہ قائم کرنا چاہے تو نکاحِ جدید کے ذریعے ہو گا اور اس صورت میں مرد تین طلاقوں ہی کا مالک رہے گا۔ یاد رہے کہ نکاح فسخ کرنے کا اختیار عدالت یا حکمین کو حاصل ہے۔

اور اس کی مزید وضاحت استاذ ابو زہرہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

"فسخ در حقیقت نکاح کے وجود کے برقرار نہ رکھنے میں ایک خارجی چیز ہے، یا پھر جو معاملہ شروع میں ہوا تھا اس کا تدارک کرنے کے لیے ہوتا ہے، جو عقد کو غیر لازم کر دیتا ہے" [1]۔

اور اس کے بعد انہوں نے فسخ کی دو صورتیں بنائی ہیں کہ: "فسخ یا تو ابتداء میں جو عقد ہوا تھا اسی ہی کو کالعدم قرار دینے کے لیے ہو گا یا پھر اس عقد میں کسی خارجی چیز کی وجہ سے بعد میں کوئی مانع آجائے"[2]۔

1۔ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، 277،

2۔ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، 277،

یعنی جو معاہدہ ہوا تھا اس کو ہی کالعدم قرار دے دیا جائے یا پھر بعد میں کوئی ایسا معاملہ آجائے جس کی وجہ سے وہ معاملہ کالعدم تو نہ ہو البتہ اسے فسخ کرنا پڑے۔

- **طلاق**

طلاق، عقد کو ختم کرنے کا نام ہے اور اس سے حلت بھی ختم نہیں ہوتی الا یہ کہ تین طلاق واقع ہو جائے اور طلاق مرد کا حق ہے اور یہ صرف تین طلاقوں تک ہی محدود ہے طلاق دینے کے لیے اسلام نے کچھ حدود و قیود مقرر کیے ہیں۔ جب خاتون ایامِ ماہواری میں ہو تو اس وقت طلاق دینا شریعت کی نگاہ میں ناپسندیدہ عمل ہے اور پھر طلاق دینے کا جو وقت ہے اس میں بھی اکھٹی تین دینے کی بجائے ایک ایک کر کے الگ الگ مہینوں میں دے یہی شریعت کی نگاہ میں مستحسن ہے۔ اگر مرد اپنا حقِ طلاق بیوی کو دیتا ہے اور صراحت کرتا ہے کہ اتنی طلاقوں کا میں نے آپ کو اختیار دیا ہے تو یہ بھی جائز ہے مگر اس کے لیے یہ مناسب ہے کہ کچھ شرائط طے کر لے تاکہ اس حق کا بے جا اور غلط استعمال نہ ہو طلاق کے کچھ مخصوص اور معروف الفاظ ہیں۔ طلاق کسی سبب کی وجہ سے یا بغیر کسی سبب کے بھی ہو سکتی ہے مگر بغیر وجہ کہ طلاق دینا شریعت کی نظر میں ناپسند ہے۔ طلاق کے حوالے سے ابوزہرہ لکھتے ہیں کہ: ''نکاح صحیح کی صورت میں اگر طلاق ہوئی تو نکاح ختم ہو جاتا ہے اور سابقہ حقوق برقرار رہتے ہیں''[1]۔

- **خلع**

خلع، عورت کا حق ہے جب وہ محسوس کرے کہ میرا اس مرد کے ساتھ ازدواجی تعلق مضبوط بنیادوں پر قائم نہیں رہ سکتا اور مرد اس کے مطالبۂ طلاق پر اس کو طلاق بھی نہ دے تو اس صورت میں خاتون خلع کی پیشکش کر کے اور کچھ معاوضہ طے کر کے چاہے وہ مہر کی واپسی اور دیگر حقوق سے دستبرداری ہو، اس سے جدائی اختیار کر لے اور اس صورت میں بھی وہ خاتون بائنہ کہلائی گی اور وہ دونوں دوبارہ اس تعلق کو استوار کرنا چاہے تو نکاح جدید کر کے کر سکتے ہیں۔

1۔ ابوزہرہ، الاحوال الشخصیہ، 277،

❖ مسئلے کی وضاحت

زیرِ بحث مسئلے کی وضاحت یہ ہے کہ علماے کرام کہتے ہیں کہ خلع دو فریقوں کے درمیان باہمی رضامندی سے طے ہونے والے معاملے کا نام ہے ان میں سے کسی پر بھی جبر نہیں کیا جاسکتا ہے۔اب اگر کوئی خاتون اپنے شوہر کو خلع کی پیشکش کرے اور وہ اس کا مطالبہ تسلیم نہیں کرتا تو کیا متاثرہ خاتون عدالت میں پیش ہو کر اپنے حق میں خلع کا فیصلہ کرواسکتی ہے اور کیا عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر اور اس کی غیر حاضری میں خلع کا فیصلہ سناسکتی ہے؟

بابِ دوم

فتاویٰ، آراء اور عدالتی فیصلے

اسلام میں ایسے تنازعات جن کا فیصلہ اس مسئلے کے دونوں فریق آپس میں مل بیٹھ کر نہ کر سکیں تو ان کے لیے ایسی صورت حال میں عدالت کی طرف رجوع کرنے کا راستہ رکھا گیا ہے۔ انہیں تنازعات میں سے میاں، بیوی کے آپس کے اختلافات بھی ہیں تاریخِ اسلام میں گھریلو اختلاف کی وجہ سے سب سے پہلا جو مقدمہ درج ہوا اور جس میں علیحدگی کا مطالبہ کیا گیا تھا وہ ثابت بن قیسؓ کی زوجہ کا مقدمہ تھا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی خلفاے راشدین کے دور میں عورتیں گھریلو ناچاقیوں کی شکایات لے کر آتی رہیں ہیں اور ان میں بعض اوقات خلع کے فیصلے بھی کیے گئے۔ اس حوالے سے کہ 'خلع کے لیے عدالت سے مدد لی جاسکتی ہے' کوئی نیا تصور نہیں ہے بلکہ بعض فقہا کے نزدیک مثلاً سعید بن جبیر، ابن سیرین[1] وغیرہ کے نزدیک خلع کے لیے عدالت سے فیصلہ حاصل کرنا ضروری ہے اس کے بغیر خلع نہیں ہو سکتا۔ جب اسلامی ممالک میں عائلی قوانین کے حوالے سے دستور سازی کی گئی تو ان میں خلع کے قانون کو عام طور پر عدالت کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا کہ اگر عدالت یہ سمجھے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان کے درمیان خلع کا فیصلہ کر دے چاہے اس میں خاوند کی رضا مندی شامل نہ ہو۔ اب عدالت کا خلع کے لیے یہ یک طرفہ فیصلہ سنادینا شرعی طور پر معتبر بھی ہوگا یا نہیں؟ یہاں سے علمی حلقوں میں اس بحث کا آغاز ہو گیا کہ عدالت کی طرف سے اگر شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا فیصلہ کر دیا جائے تو کیا وہ شرعی حیثیت رکھے گا؟ اسی بحث کے حوالے سے مندرجہ ذیل باب میں علماے کرام کی آراء ساتھ ہی ساتھ ان کے اس حوالے سے دلائل، فتاویٰ اور پاکستان میں اس حوالے سے جو فیصلہ آیا اور اسلامی نظریاتی کونسل نے جو راے دی اس کا ذکر کیا جارہا ہے۔

1۔ قرطبی، ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن

علمائے کرام کی آراء

• سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ عدالتی خلع کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ''اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد اس کو قبول نہ کرے تو اس صورت میں عورت کو عدالت کی طرف رجوع کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں فإن خفتم ألا يقيما حدود الله کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اس آیت میں خفتم کا خطاب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اولی الامر ہی کی طرف ہے۔۔۔۔۔۔ اور اگر عورت افتداء پر آمادہ ہو لیکن مرد قبول نہ کرے تو ایسی صورت میں قاضی کو کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ ان مسائل کی تفصیلات ہم کو خلع کے ان مقدمات کی رودادوں میں ملتی ہے جو نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے سامنے پیش ہوئے (اور اس حوالے سے انہوں نے مذکورہ چار واقعات کا تذکرہ کیا ہے)۔ 1۔ثابت بن قیس 2۔ حبیبہ بنت سھل الانصاریہ(ثابت کی دوسری بیوی) 3 ۔عمرؓ کے دور کا واقعہ 4 ۔ربیع بنت معوذ بن عفراء کا واقعہ (عثمانؓ کے دورِ حکومت کا واقعہ)۔۔۔

اگر عورت خلع مانگے اور مرد اس پر راضی نہ ہو تو قاضی اس کو حکم دے گا کہ اسے چھوڑ دے۔ تمام روایات میں یہی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے ایسی صورتوں میں مال قبول کر کے عورت کو چھوڑ دینے کا حکم دیا ہے۔ اور قاضی کا حکم بہر حال یہی معنٰی رکھتا ہے کہ محکوم علیہ اس کے بجالانے کا پابند ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ بجا نہ لائے تو قاضی اس کو قید کر سکتا ہے شریعت میں قاضی کی حیثیت صرف ایک مشیر کی نہیں کہ اس کا حکم مشورے کے درجے میں ہو اور محکوم علیہ کو اس کے ماننے یا نہ ماننے کا اختیار ہو قاضی کی اگر یہ حیثیت ہو تو لوگوں کے لیے اس کی عدالت کا دروازہ کھلا ہونا محض بے معنٰی ہے''۔

نکاح کے حوالے سے شریعت کا بنیادی فلسفہ ہے کہ جب تک ان دونوں کا آپس میں تعلق اچھا ہو اور ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ان کے لیے مشکل نہ ہو تو پھر بلاوجہ اس تعلق کو ختم کرنا شریعت کی نظر میں ناپسندیدہ کام ہے۔ ہاں جب ان دونوں کے لیے حدود اللہ کا قیام مشکل ہو جائے اور ایک دوسرے کے حدود اچھے طریقے سے ادا نہ کر سکیں تو پھر بہترین طریقے سے شریعت نے ان دونوں کی علیحدگی کا وضع کیا ہے۔ اور اس حوالے سے طلاق اور خلع دو طریقے رکھے ہیں۔ طلاق کا اختیار بنیادی طور پر شوہر کے پاس ہے اگر وہ یہ حق اپنی بیوی کو سونپ دیتا ہے تو پھر الگ مسئلہ ہے۔ جہاں تک رہا خلع کا

مسئلہ تو کیا اس میں بیوی کو بھی کچھ حق ہے یا طلاق کی طرح کلی اختیارات اس میں بھی شوہر کے ہاتھ میں ہے۔ عام طور پر یہی خیال کیا جاتا ہے کہ جب تک شوہر نہ چاہے خلع کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ اس میں شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ اور شوہر کی رضامندی کے برخلاف عدالت بھی اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس حوالے سے مولانا مودودیؒ مسئلہ خلع میں ایک بنیادی غلطی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"عورت سے خلع کے حق کو جس چیز نے عملاً بالکل سلب کر لیا ہے، وہ یہ غلط خیال ہے کہ شارع نے خلع کا معاملہ کلیۃً زن و شوہر کے درمیان رکھا ہے اور اس میں مداخلت کرنا قاضی کے حدودِ اختیار سے باہر ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خلع دینا نہ دینا بالکل مرد کی مرضی پر موقوف ہو گیا ہے"۔

اور پھر اس کے بعد انہوں نے مسئلہ خلع میں قاضی کے اختیارات کے حوالے سے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے۔

﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيما حُدُودَ اللَّهِ فَلا جُناحَ عَلَيْهِما فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾(البقرۃ۲ :۲۲۹)

(اگر تم کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود پر قائم نہیں رہ سکیں گے تو ان دونوں (یعنی زوجین) پر اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ وہ (یعنی عورت) کچھ فدیہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔)

"اس آیت میں خود زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغوں میں کیا گیا ہے لہذا إِنْ خِفْتُمْ (اگر تم کو خوف ہو) کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے۔ اب لا محالہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں اور حکم الٰہی کا منشا یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں باہمی رضامندی حاصل نہ ہو تو اولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس کی تائید ان احادیث سے ہوتی ہے جو ہم اوپر نقل کر چکے ہیں۔ نبی کریم ﷺ اور خلفاء راشدینؓ کے پاس خلع کے دعوے لے کر عورتوں کا آنا اور آپ کا ان کی سماعت کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ زوجین میں خلع پر راضی نامہ نہ ہو سکے تو عورت کو قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اب اگر فی الواقع قاضی اس معاملے میں صرف سماعت کا اختیار رکھتا ہو، مگر مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں اس سے اپنا فیصلہ منوانے کا اقتدار نہ رکھتا ہو، تو قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہی ہوگا۔ کیونکہ اس کے پاس جانے کا نتیجہ بھی وہی ہے جو نہ جانے کا ہے۔ لیکن کیا احادیث سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ قاضی اس معاملے میں بے اختیار ہے؟ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدینؓ کے جتنے فیصلے اوپر منقول ہوئے ہیں، ان سب میں یا تو صیغۂ امر آیا ہے جیسے طلقها (اسے طلاق دے) ،فارقها (اس سے جدا ہو جا)، اور خل سبيلها (اس کو چھوڑ دے)، یا یہ بیان کیا گیا

ہے کہ آپ نے مرد کو حکم دیا کہ ایسا کرے۔اور ابنِ جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنھما سے جو روایت نقل کی ہے،اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ففرق بینہما (پھر آپ نے ان کو جدا کر دیا)۔اور یہی الفاظ اس روایت میں بھی ہیں جو جمیلہ بنتِ اِبی بن سلول سے منقول ہے۔اس کے بعد یہ شبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ قاضی خلع کے معاملے میں حکم دینے کا مجاز نہیں"۔[1]

• علامہ یوسف القرضاوی

عدالتی خلع کے حوالے سے علامہ یوسف القرضاوی ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں سوال یہ ہے "کیا یہ بات قرینِ انصاف ہے کہ مرد کے ہاتھوں میں طلاق کی تلوار تھما دی جائے کہ وہ جب اور جیسے چاہے ظلم اور جبر کرتے ہوئے بغیر کسی وجہ کے اس طلاق کو عورت پر مسلط کر دے کہ عورت طلاق کی مالک نہیں ہوتی بلکہ وہ اس کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی کہ مطالبۂ طلاق اس پر حرام ہے۔جب کوئی بیوی اپنے شوہر کو ناپسند کرے اور اس کے دل میں اس کے لیے بغض آجائے نفرت کے جذبات پنپنے لگے پھر بھی اس پر لازم کیا جاتا ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود اس کے ساتھ رہے اور لازماً اس کی فرمانبرداری کرے اگر وہ خاتون انکار کرے تو اسے اطاعت کا درس دیا جاتا ہے ایسے لگتا ہے کہ گویا وہ کوئی قیدی ہے جسے بیڑیاں پہنائی جا رہی ہے یا کوئی مجرم جسے جیل لے جایا جا رہا ہو تو شریعت میں یہاں انصاف کہاں ہے ؟وہ حقوق و فرائض جو دونوں فریقوں کے درمیان ہے اس میں توازن کہاں ہے""؟

علامہ قرضاوی اس سوال کے جواب میں پہلے میاں،بیوی کے رشتے کی اہمیت کو گنواتے ہیں پھر طلاق کی اہمیت اس کی سنگینی اور دیگر حوالوں سے گفتگو کرنے کے بعد کہتے ہیں:

كلا، لقد جعلت الشريعة الإسلامية للزوجة الكارهة مخرجاً من الحياة مع زوج تنفر منه، وتنأى بجانبها عنه، فإذا كانت الكراهية من قبلها، وكانت هي الراغبة وحدها في الفراق، وزوجها محب لها، حريص عليها، غير راغب في فراقها، كان مخرجها ما عرف في لسان الفقهاء باسم الخلع

---

[1] ۔ مودودیؒ،سید ابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین

(کیوں نہیں! یقیناً شریعتِ اسلامی نے بیوی کو اپنے شوہر سے علیحدہ ہونے کے لیے راستہ بتلایا ہے اگر وہ اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہے اور اس سے جدائی کا طریقہ بتلایا ہے اگر ناپسندیدگی اس خاتون کی طرف سے ہو اور جدائی کے لیے وہ اکیلی تیار ہو حالانکہ شوہر اس سے محبت کرتا ہو اور اسے چاہتا بھی ہو اور اس سے جدا نہ ہونا چاہتا ہو فقہا کی اصطلاح میں اس طریقے کو خلع سے موسوم کیا جاتا ہے)

پھر خلع کے حوالے سے بھی متنبہ کرتے ہیں کہ بغیر کسی وجہ کے خلع کے مطالبہ کرنے والیوں کے لیے کا وعید ہے اور دو احادیث مبارکہ کا حوالہ دیتے ہیں پھر لکھتے ہیں:

أما الكارهات النافرات اللاتي يخفن أن تدفعهن الكراهية إلى إهمال حدود الله في الحياة الزوجية، فلهن أن يشترين حريتهن برد ما بذل الرجال لهن من مهر أو هدية

(باقی رہا ان خواتین کا معاملہ جو اپنے شوہروں کو ناپسند کرتیں ہیں اور انہیں خوف ہے کہ یہ ناپسندیدگی انہیں حدود اللہ کے توڑنے کی طرف لے جائے گی تو مردوں نے انہیں جو مہر یا کوئی ہدیہ دیا تھا وہ انہیں واپس کر کے علیحدہ ہو جائے۔)

اور اس حوالے سے ابنِ قدامہ حنبلی کا حوالہ دیتے ہیں اس کے بعد تھوڑا آگے چل کر کہتے ہیں:

فإذا ساءت العشرة بين الزوجين وكانت المرأة هي النافرة الكارهة، وأبى زوجها أن يطلقها، فلها أن تعرض عليه الخلع، وترد عليه ما أخذته منه، ولا ينبغي أن يزداد، فإن قبل فقد حلت العقدة ويغني الله كلاّ من سعته وبعض الفقهاء يشترطون رفع ذلك إلى الحاكم، وبعضهم لا يشترطون

(اگر رشتہ ازدواج زوجین کے درمیان ناخوشگوار ہے اور بیوی علیحدگی چاہتی ہے مگر شوہر اسے طلاق دینے سے انکار کرتا ہے تو وہ اسے خلع کی پیشکش کرے اور اس کا مال اسے واپس کر دے اور اضافہ کرنا نامناسب ہے اگر شوہر وہ قبول کر لیتا ہے تو جدائی ہو جائے گی اور اللہ دونوں کے لیے راہیں کھول دیگا اور بعض فقہا اس کے لیے عدالت میں کیس دائر کرنے کی شرط لگاتے ہیں اور بعض اس کو ضروری نہیں سمجھتے۔)

اگر شوہر خلع قبول کرنے سے انکار کر دے تو کیا کیا جائے گا اس حوالے سے ان کا کہنا ہے:

أما إذا رفض الزوج، وأصر على مضايقتها وإكراهها على الحياة في كنفه، فللقاضي المسلم أن ينظر في الأمر، ويستوثق من حقيقة عاطفتها، وصدق كراهيتها، ثم يجبر الزوج على قبول العوض، ويحكم بينهما سواء اعتبر

هذا التفريق فسخاً أم طلاقاً بائناً على اختلاف المذاهب هذا هو رأي عدد من فقهاء السلف، وإن لم تأخذ به المذاهب الأربعة

(اگر شوہر خلع قبول کرنے سے انکار کرتا ہے اور اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنے پاس روکنے پر مصر ہے اور اس کی زندگی تنگ کرنا چاہتا ہے تو مسلمان قاضی کو چاہیے کہ ان کے معاملے کو دیکھے شوہر کتنا خیال رکھتا ہے اور اس خاتون کی ناپسندیدگی میں کتنی سچائی ہے پھر شوہر پر اس معاوضے کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالے اور ان دونوں میں فیصلہ کر دے چاہے یہ تفریق فسخ شمار کی جائے یا طلاق بائن علی اختلاف المذاہب اور فقہا سلف میں سے کئی ایک کی یہ رائے ہے اگرچہ مذاہب اربعہ نے اس کو اختیار نہیں کیا۔)

ويؤيد هذا المذهب ما حكم به النبي صلى الله عليه وسلم في قضية امرأة ثابت بن قيس بن شماس، وهو من خيار الصحابة وأمر النبي صلى الله عليه وسلم له أن يقبل منها الحديقة ويفارقها[1]

اور اس مذہب کی تائید میں وہ فیصلہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے معاملے میں کیا تھا جن کا شمار خیار صحابہ میں ہوتا تھا نبی کریم ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا کہ اپنی بیوی سے باغ واپس لے لو اور اس کو جدا کر دو۔

- **حافظ صلاح الدین یوسف**

وفاقی شرعی عدالت میں خلع اور طلاق کے حوالے سے درپیش روزمرہ کے مسائل کے حوالے سے ایک درخواست دائر تھی جو عدالت نے رہنمائی اور مشورے کے لیے ادارہ محدث کو ارسال کی اور انہوں نے اسے حافظ صلاح الدین یوسف کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے ترتیب وار سوالات کے جوابات دیے۔

سوال: کیا رضا مندی اور نئے نکاح کے ذریعے سے یہ تعلق زوجیت دوبارہ بحال ہو سکتا ہے۔میاں بیوی کے درمیان عدالتی تفریق (بذریعہ خلع) کے بعد میاں بیوی نکاحِ جدید کے ذریعے دوبارہ ازدواجی زندگی بحال کر سکتے ہیں؟

جواب : اس کا جواب اثبات میں ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں دوبارہ صلح کرنا چاہتے ہیں تو باہم رضا مندی اور نئے نکاح کے

[1] -http://www.qaradawi.net/fatawaahkam/30/4095-2012-02-17-06-46-28.html

ذریعے سے یہ تعلق زوجیت دوبارہ بحال ہو سکتا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب عدالت کی طرف سے زوجین میں کرائی گئی تفریق کو درست مانتے ہیں اور اس کو شرعی حیثیت دیتے ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے فاضل عدالت نے جو تنقیحات مرتب کی تھی اس کا سلسلہ وار جواب دینا شروع کیا اور اس حوالے سے سب سے پہلے طلاق کے متعلق جواب دیا پھر ان سے درج ذیل سوال پوچھا تو انہوں نے اس کا جواب ان الفاظ میں دیا

سوال :کیا بیوی کو حاصل اختیار، بابت خلع بواسطہ قاضی، محدود اور خاوند کی رضامندی سے مشروط ہے ؟

جواب:اس سوال کا جواب دینے سے قبل خلع کی حقیقت بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

خلع وہ حق ہے جو شریعت اِسلامیہ (اللہ اور اس کے رسولﷺ) نے مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں عورت کو مرد سے علیحدہ ہونے کے لیے دیا ہے۔ اس لیے کہ جب مرد کو یہ حق دیا گیا ہے کہ اگر وہ عورت کو رکھنا پسند نہیں کرتا تو طلاق کے ذریعے سے اس سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔ اسی طرح یہ ضرورت عورت کو بھی پیش آسکتی ہے کہ وہ کسی وجہ سے مرد کو ناپسند کرے اور محسوس کرے کہ وہ اس کو ناپسند کرنے کی وجہ سے خاوند کے وہ شرعی حقوق (حدود اللہ) ادا نہیں کرسکتی جو شریعت نے اس پر عائد کئے ہیں تو وہ اس صورت میں خاوند کا دیا ہوا حق مہر واپس کردے اور اس سے طلاق حاصل کرلے، اسی کا نام خلع ہے۔

یہ معاملہ اگر گھر ہی کے اندر طے پاجاتا ہے اور خاوند یہ محسوس کرتے ہوئے کہ طلاق نہ دینے کی صورت میں خوشگوار تعلقات، جو نکاح کا اصل مقصد ہیں، قائم نہیں رہ سکتے تو وہ عورت کے مطالبۂ طلاق کو تسلیم کرکے طلاق دے دے اور حق مہر واپس لے لے جو وہ شرعاً لینے کا حق دار ہے یامعاف کردے (بطورِ احسان کے) تو اس طرح خلع ہوجاتا ہے اور دونوں کے درمیان جدائی ہوجاتی ہے اور یوں معاملہ نہایت خوش اُسلوبی کے ساتھ حل ہوجاتا ہے۔

لیکن یہاں بھی اکثر و بیشتر مردوں کا معاملہ شریعت اِسلامیہ کی ہدایات کے خلاف ہی ہوتا ہے بلکہ بہت سے جامد فقہاو علما عورت کے اس حق خلع ہی کو تسلیم نہیں کرتے۔ إنا الله وإنا إليه راجعون،حالانکہ یہ قرآنِ کریم اور اَحادیث ِصحیحہ و قویہ کی صریح نصوص سے ثابت ہے۔

اکثر مرد عورت کے جائز مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہیں کرتے، نتیجتاً معاملہ عدالت میں لے جانا پڑتاہے اور فریقین عدالتوں میں خوار ہوتے ہیں،بلکہ بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ باوجود عدالت کے بار بار سمن جاری کرنے کے خاوند عدالت ہی میں حاضر نہیں ہوتا، بالآخر عدالت یک طرفہ فیصلے پر مجبور ہوجاتی ہے اور وہ خلع کی ڈگری جاری کرکے عورت کی گلو خلاصی کرا تی ہے۔یہاں بھی جامد فقہا یہ موشگافی کرتے ہیں (اللہ ان کو ہدایت دے) کہ خاوند کے طلاق دیے بغیر طلاق نہیں ہوتی۔ کیا یہ مفتی حضرات یہ چاہتے ہیں کہ ایسی عورت یوں ہی بے یارومدد گار بیٹھی خون کے آنسو روتی رہے اور کہیں سے اس کی داد رسی نہ ہو۔

بہرحال فاضل عدالت کے سوال کا جواب یہ ہے کہ عام حالات میں خلع خاوند کی رضا مندی ہی سے ہوگا، لیکن جہاں خاوند ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عورت کے جائز مطالبۂ طلاق کو تسلیم نہیں کرے گا اور اس کو اور اس کے اہل خانہ کو پریشان کرنے والا رویہ اختیار کرے گا،ایسی صورت میں مجاز افسر، قاضی، یاعدالت ہی کے ذریعے سے خلع حاصل کیا جائے گا۔ خاوند راضی ہویا نہ ہو، وہ طلاق دے یا نہ دے، عدالت کا فیصلہ ہی طلاق کے قائم مقام ہوگا اور خلع کی ڈگری جاری ہونے کے بعد عدت گزار کر ولی کی اجازت کے ساتھ دوسری جگہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔[1]

---

[1]۔ محدث، شمارہ 11 نومبر 2010

• مفتی محمد تقی عثمانی

سپریم کورٹ آف پاکستان کے خلع کے حوالے سے دیے گئے ایک فیصلے پر مفتی محمد تقی عثمانی نے ایک مقالہ تحریر فرمایا جس میں اس فیصلے پر تبصرہ کیا گیا کہ شوہر کی رضامندی کے بغیر عدالت خلع کا فیصلہ نہیں سناسکتی اور کورٹ کا فیصلہ کہ اگر عدالت تحقیق کے ذریعہ اس نتیجے تک پہنچ جائے کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عدالت شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کرا سکتی ہے۔ان کے نزدیک یہ موقف جمہور امت کے خلاف اور شرعی اعتبار سے نادرست ہے۔ مفتی صاحب لکھتے ہیں:

ہماری تحقیق کی حد تک امت اسلامیہ کے تقریباً تمام فقہا مجتہدین اس بات پر متفق ہیں،اور قرآن وسنت کے دلائل بھی اسی کی تائید کرتے ہیں کہ خلع فریقین کی باہمی رضامندی کا معاملہ ہے اور کوئی فریق دوسرے کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا"۔اس کے بعد مفتی صاحب نے جسٹس ایس اے رحمان نے اپنے فیصلے میں جو دلائل دیے تھے ان پہ تبصرہ کرتے ہوئے ان کا رد کیا ہے۔ پہلی دلیل جسٹس صاحب نے زوجین کے درمیان مساوات کی دی تھی اور اس سلسلے میں قرآنی آیت ﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ﴾ سے استدلال کیا ہے کہ جس طرح مرد کو عورت کی رضامندی کے بغیر طلاق کا قانونی حق دیا گیا ہے،اسی طرح عورت کو بھی مرد کی رضامندی کے بغیر خلع کا حق ملنا چاہیے۔

مفتی صاحب کے خیال میں یہ استدلال بوجوہ ذیل درست نہیں ہے:

1۔قرآنِ کریم میں پوری آیت اس طرح ہے ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ اس آیت میں ﴿ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ﴾ کے الفاظ واضح طور پر دلالت کررہے ہیں کہ بعض معاملات میں جو اختیارات مرد کو حاصل ہیں وہ عورت کو حاصل نہیں ہیں۔

2۔اگر اس آیت کا مطلب یہ لیا جائے کہ زوجین تمام حقوق وفرائض میں بالکل برابر ہیں تو پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد کو بغیر معاوضہ دیے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہے اور عورت معاوضہ ادا کیے بغیر طلاق حاصل نہیں کرسکتی۔حالانکہ زوجین کی مساوات کا اگر یہ مفہوم لیا جائے کہ رشتہ نکاح کو قطع کرنے میں بھی دونوں برابر ہیں تو عورت کو بھی مرد کی طرح طلاق کا اختیار ملنا چاہیے۔

اس کے بعد مفتی صاحب نے آیت بالا کا جو مفہوم ہے اسے بیان کیا ہے کہ یہاں پر مساوات سے کیا مراد ہے۔

اس کے بعد جو بنیادی مسئلہ ہے فإن خفتم کی تشریح کا اس پر بحث کی ہے۔ جسٹس صاحب کہتے ہیں کہ اس میں حکام کو خطاب ہے اگر حکام عدالت یہ سمجھتے ہوں کہ زوجین حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکے تو وہ شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کے ذریعے نکاح فسخ کر سکتے ہیں۔ مفتی صاحب اس پر رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آیت کا منشا یہ ہوتا کہ حکام ایسی صورت میں زوجین یا زوجین میں سے کسی ایک کو خلع پر مجبور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں جیسا کہ جسٹس صاحب کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے تو صاف یہ کہا جاتا کہ اگر تم کو اس بات کا احتمال ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو تمہیں اختیار ہے کہ ان کے درمیان نکاح کو فسخ کر دو لیکن کہا یہ جا رہا ہے کہ ایسی صورت میں زوجین پر خلع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ کہ جب خلع فریقین کی باہمی رضامندی پر موقوف ہے تو پھر فإن خفتم الخ میں خطاب اولوالامر (حکام) کو کیوں کیا گیا ؟ سو اس کا جواب اس معاشرتی پس منظر کو پیش نظر رکھ کر بآسانی دیا جا سکتا ہے جس میں یہ آیت نازل ہو رہی ہے۔ اس زمانے میں اولوالامر کی حیثیت صرف ایک جج اور حاکم ہی کی نہیں تھی بلکہ ایک مصلح، مفتی اور مشیر کی بھی تھی ....لہذا اس آیت میں یہ کہا گیا ہے کہ اگر تم سے اس جیسے معاملے میں رجوع کیا جائے تو تم انہیں خلع کا مشورہ دے سکتے ہو نیز اپنی نگرانی میں خلع کا معاملہ کرا سکتے ہو۔

مفتی صاحب اس اشکال کو یوں حل کرتے ہیں کہ اولوالامر کو محض مخاطب کر لینے سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ انہیں خلع کے معاملے میں وہ مکمل اختیارات حاصل ہو گئے جو زوجین کو حاصل ہیں، اس کی وضاحت کے لیے دو مثالوں پر غور فرمایئے:

1۔ فرض کیجیے کہ حکام کے پاس ایک ایسا مقدمہ آتا ہے جس میں زوجین میں سے کوئی خلع پر راضی نہیں (مرد اس لیے کہ وہ عورت کو جدا نہیں کرنا چاہتا اور عورت اس لیے کہ وہ بلا معاوضہ طلاق چاہتی ہے) اور کوئی ایسی صورت بھی نہیں پائی جاتی (مثلاً شوہر کا جنون وغیرہ) جس کی موجودگی میں عدالت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے، البتہ حکام یہ خوف رکھتے ہیں کہ نکاح کے قائم رہنے کی صورت میں یہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ عورت سے خلع کرنے کو پوچھا جاتا ہے لیکن وہ خلع پر راضی نہیں ہوتی تو کیا اس صورت میں محض اس وجہ سے کہ ﴿ فإن خفتم ألا يقيما حدود الله ﴾ میں حکام کو مخاطب کیا گیا ہے حکام ان دونوں کے درمیان زبردستی خلع کے ذریعہ نکاح فسخ کر سکتے ہیں؟

2۔ فرض کیجیے کہ ایک مقدمے میں زیادتی چونکہ عورت کی طرف سے ہے اس لیے شوہر مہر معاف کرائے بغیر طلاق دینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ دوسری طرف عورت خلع پر راضی نہیں وہ یا تو طلاق ہی نہیں چاہتی، یا طلاق کے معاوضے میں مہر معاف کرنے ہر راضی نہیں تو کیا ایسی صورت میں حکام عورت کو خلع پر مجبور کر کے نکاح فسخ کر سکتے ہیں؟

اس کے بعد مفتی صاحب نے آیت کے سیاق کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور آیت میں موجود مختلف الفاظ کی وضاحت کی پھر کہتے ہیں کہ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آیتِ خلع میں تین جملے ایسے ہیں جو واضح طور پر شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی کا مفہوم رکھتے ہیں:

۱۔إلا أن يخافا ألا يقيما حدود الله (مگر یہ کہ ان دونوں میاں، بیوی کو احتمال ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھیں گے)

۲۔فيما افتدت به (اس مال میں جو عورت بطور فدیہ دے)

۳۔فلا جناح عليهما (تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں)

اور اس کے بعد انہوں نے مثبت دلائل کے عنوان سے شوہر کی رضامندی کے حوالے سے ان دلائل کے علاوہ اور دلائل بھی ذکر کیے ہیں ان میں سے ایک ﴿وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ ما فَرَضْتُمْ إِلاَّ أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكاحِ﴾ میں موجود الفاظ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكاحِ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق ہے) سے مراد خود آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق شوہر ہے، جس کے بارے میں آیت نے واضح کر دیا کہ نکاح کا رشتہ تنہا اسی کے ہاتھ میں ہے لہذا اس رشتے کو اس کے سوا کوئی ختم نہیں کر سکتا۔[1]

[1]۔ عثمانی، محمد تقی عثمانی، اسلام میں خلع کی حقیقت

فتاویٰ

- **مفتی اعظم سعودی عرب عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز**

سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن بازؒ سے اس عورت کے متعلق پوچھا گیا جس کے دل میں شادی کے بعد اپنے خاوند کے لیے تھوڑی سی بھی محبت موجود نہیں ہے وہ یا تو اس سے طلاق کا مطالبہ کرتی ہے یا پھر خلع کا مگر اس کا شوہر اس بات پر راضی نہیں ہے اب اس کا کیا حکم ہو گا؟

سوال:

إمرأة تزوجت ابن عمها ولم يكتب اللّٰه فى قلبها له مودة وقد خرجت من بيته منذ ثلاث عشرة سنه وحاولت منه الطلاق أو المخالعه أو الحضور معه إلى المحكمة فلم ترض لذلک وهى تبغضه بغضا كثيراً تفضل معه الموت على الرجوع اليه وقد اسقطت نفسها من السطح لما أراد أهلها الاصلاح بينها وبينه فما الحكم؟

ایک خاتون کا اپنے چچازاد سے نکاح ہوا مگر اس کے دل میں اپنے چچازاد کے لیے تھوڑی سی بھی محبت نہیں ہے وہ اپنے گھر سے تیرہ سال ہوئے نکلی ہے اور اپنے شوہر سے طلاق یا خلع کا مطالبہ کر رہی ہے یا پھر عدالت میں فیصلے کے لیے کہہ رہی ہے مگر اس کا شوہر اس پر راضی نہیں ہے وہ اس سے اتنا بغض رکھتی ہے کہ اس کے پاس جانے کی بجائے موت کو ترجیح دیتی ہے اور جب اس کے گھر والوں نے اس کے شوہر اور اس کے درمیان صلح کی کوشش کی تو وہ بالکل ضد پہ اڑ گئی تو اس معاملے میں کیا حکم ہو گا؟

جواب:

مثل هذه المرأة يجب التفريق بينها وبين زوجها المشار اليه إذا دفعت اليه جهازه لقول النبیﷺ لثابت بن قيس لما أبغضته زوجته وطلبت فراقه وسمحت برد حديقته إليه"اقبل الحديقه وطلقها تطليقة "رواه البخارى فى صحيحه ،ولان بقاؤها فى عصمته و الحال ما ذكر يسبب عليها اضرارا كثيرة وقد قال النبیﷺ "لا ضرر و لا ضرار " ولأن الشريعه جاءت بتحصيل المصالح و تكميل و تعطيل المفاسد و تقليها ولا ريب أن بقاء مثل هذه المرأة فى عصمته زوجها المذكور من جملة المفاسد التى يجب تعطيها وإزالتها و القضاء عليها و إذا امتنع الزوج عن الحضور مع المرأة

المذکورة إلی المحکمة وجب علی الحاکم فسخها من عصمتهإذا طلبت ذلک وردت علیه جهازه للحدیثین السابقین و للمعنی الذی جاءت به الشریعه و استقر من قواعدها ،و أسال الله أن یوفق قضاة المسلمین لما فیه صلاح العباد و البلاء،ولما فیه ردع الظالم من ظلمه و رحمته المظلوم و تمکینه من حقه ،وقد قال الله سبحانه ﴿وإن یتفرقا یغن الله کلا من سعته وکان الله واسعا حکیما﴾[1]

ایسی عورت اوراس کے جس شوہر کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے درمیان تفریق واجب ہے جب وہ خاتون اس کا مال اسے واپس کردے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کا ثابت بن قیس کو یہ کہنا" باغ لے لو اور اس کو ایک طلاق دے دو" جب ان کی بیوی ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہ رہی تھی اور ان سے جدائی کا مطالبہ کر رہی تھی اور نبی کریم ﷺ نے اس کو اجازت دی تھی کہ اس کا باغ اسے واپس کردو۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔اس لیے کہ اس کو اپنے شوہر کے نکاح میں برقرار رکھنا اور اس صورتحال میں جس کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس میں اس خاتون کو بہت ضرر ہوگا اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے "لا ضرر و لا ضرار "نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔اور اس لیے کہ شریعتِ اسلامی فوائد کے حصول،اس کی تکمیل اور مفاسد کو ختم اور اس کو تبدیل کرنے کے لیے آئی ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس خاتون کو اپنے شوہر کے عقد میں برقرار رکھنا ان جملہ مفاسد میں سے ہے جن کو ختم کرنا اور ان کا ازالہ کرنا اور اس پر فیصلہ کرنا ضروری ہے۔اور اگر شوہر اس خاتون کے ساتھ عدالت میں حاضر ہونے کے لیے تیار نہیں تو حاکمِ وقت پر اس نکاح کو فسخ کرنا واجب ہے جب وہ خاتون اس کا مطالبہ کرے اور شوہر کو اس کا مال واپس کردے ان دو سابقہ حدیثوں کی بنا پر اور شریعتِ اسلامی کی اس روح کی بنیاد پر جسے لے کر اسلام آیا اور اس کے قواعد کو برقرار رکھنے کے لیے ہے۔میں اللہ سے سوال کرتا ہوں کہ مسلمان قاضیوں کو اس بات کی توفیق دے کہ جس میں لوگوں اور ملکوں کا فائدہ ہو،اور جس میں ظالم کو اس کے ظلم سے روکنا اور مظلوم کی امید،اور اس کا حق اس تک پہنچانا ہو اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وإن یتفرقا یغن الله کلا من سعته وکان الله واسعا حکیما" اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ان دونوں کو اپنی رحمت سے غنی کردے گا اور اللہ حکمت،وسعت والا ہے۔

---

[1]. ابن باز،عبدالعزیز بن عبداللہ، مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ،21/ 259

- **جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن**

جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن میں شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کے فیصلے کے حوالے سے ایک سوال آیا جس میں انہوں نے اس فیصلے کو کالعدم قرار دیا اور کہا کہ اس میں شوہر کی رضامندی ہونا ضروری ہے سوال اور جواب ذیل میں درج ہیں:

سوال:

ایک عورت جو شوہر کے ساتھ نہ اتفاقی کی صورت میں خلع کے لیے عدالت سے رجوع کرتی ہے اور پھر شوہر کے عدالت میں پیشی کے بغیر مسلمان جج فسخ نکاح کرتا ہے اور حق مہر ایک ہزار ادا کرنے کا حکم صادر کرتا ہے اور ہزار روپیہ بھی عدالت میں جمع کرایا جاتا ہے۔ اب طلب امر بات یہ ہے کہ کیا شرعی لحاظ سے یہ عورت آزاد ہے اور دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے؟

جواب:

واضح رہے خلع بھی دیگر مالی معاملات کی طرح ایک معاملہ ہے جس میں فریقین کی باہمی رضامندی ضروری ہے۔ اس لیے کسی ایک فریق کی رضامندی کے بغیر خلع کا وقوع نہیں ہوتا ۔ لہٰذا عدالت کا خلع کی ڈگری جاری کرنا علیحدگی کے لیے کافی نہیں ، کیوں کہ اس میں شوہر کی رضامندی کا حوالہ نہیں دیا گیا۔اس لیے مذکورہ بیان کی حد تک عدالتی فیصلہ شرعاً موثر اور نافذ العمل نہیں ہے ۔ مذکورہ خاتون اپنے شوہر سے آزاد اور دوسری جگہ نکاح کرنے کی مجاز نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم [1]

[1] http://fatwa.banuri.edu.pk/masla/shohar-ki-rizamandi-k-baghair-adalat-ka-khula-dena/2012-05-27-

عدالتی فیصلہ

تقسیمِ پاکستان سے پہلے عدالتوں میں خلع کے حوالے سے جو فیصلے کیے جاتے تھے تو اس میں جانبین کی رضامندی کو ضروری سمجھا جاتا تھا لیکن تقسیم پاکستان کے بعد لاہور ہائی کورٹ نے 1959ء میں شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا فیصلہ سنایا[1] اور پھر 1967ء میں پاکستان سپریم کورٹ (جس کے بنچ میں جسٹس ایس۔اے رحمان، جسٹس فضل اکبر، جسٹس حمود الرحمٰن، جسٹس محمد یعقوب علی اور جسٹس ایس۔اے محمود شامل تھے) نے بھی خلع کے حوالے سے اسی نقطۂ نظر کو اختیار کیا اس میں حتمی رائے (leading judgment) جسٹس ایس۔اے رحمان کی تھی تو ذیل میں ہم انہی کی رائے کو بیان کریں گے۔

❖ پاکستان سپریم کورٹ کا فیصلہ

1967 سپریم کورٹ میں خلع کے لیے خورشید بی بی کی طرف سے بابو محمد امین کے خلاف درخواست دائر کی گئی۔اس کیس میں جسٹس ایس۔اے رحمان ایک مقالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے خواتین کے لیے شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کا حق ثابت کیا انہوں نے اپنے دلائل میں سب سے پہلے قرآنی آیت ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اس آیت کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

قرآن کی اس آیت کے مطابق خواتین کو بھی اسی طرح (علیحدگی) کا حق ہے جیسے کہ مردوں کو ہے اور اس کے بعد انہوں نے آیت طلاق میں جو الفاظ مذکور ہے اس میں سے کچھ الفاظ سے استدلال کیا ہے مثلاً اِن خفتم کے الفاظ سے اس کی انہوں نے مختلف تفاسیر سے تفسیر بیان کی کہ خفتم سے حکام مراد ہے اور انہیں خلع کی صورت میں نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔اس کے اس بعد انہوں نے اس حوالے سے فقہ میں موجود چند مثالوں سے اس کی نظیر پیش کی ہے مثلاً مفقود الخبر، ایلا اور عنین کی مثال وغیرہ ان تمام کے بعد وہ لکھتے ہیں:

---

[1] The all Pakistan legal decisions p.l.d 1967 page99.

'It is explained that incurable aversion to the husband, on the part of the wife would be sufficient justification for the khula.'[1]

(یہ تمام دلائل بیان کرتے ہیں کہ اگر عورت، مرد سے ناقابل اصلاح نفرت کرتی ہو تو خلع کے لیے یہ وجہ جواز کافی ہے)
اس کے بعد انہوں نے ان احادیث سے استدلال کیا ہے جن کا ذکر گزر چکا۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے

اسلامی نظریاتی کونسل کی سالانہ رپورٹ 99-1998ء میں دفعہ ۲ کے تحت شق (ix) کا اضافہ کیا گیا جس میں خلع کو انفساخ نکاح کی ڈگری میں شامل کیا گیا ہے اور اس میں کہا گیا ہے کہ میاں، بیوی کا حدود اللہ میں رہنا ناممکن ہو تو بیوی خلع کے ذریعے علیحدگی کا راستہ اختیار کر سکتی ہے شق درج ذیل ہے۔

دفعہ ۲۔ مجوزہ ذیلی شق (ix)

سینیٹ میں پیش کردہ ترمیمی بل کے مطابق دفعہ ۲ ب کی ذیلی شق (viii) کے بعد دو نئی شقوں کا اضافہ کیا جائے گا اور موجودہ قانون کی ذیلی شق (ix) کا نمبر تبدیل کر کے (xi) کر دیا جائے گا۔ شق (ix) حسب ذیل ہوگی۔

"(ix) That the husband is temperamentally incompatible and the wife is unable to live with him."

اس نئی ترمیم کی رو سے یہ بات بھی موجبات انفساخ نکاح میں شامل ہوگی کہ:۔

"شوہر مخالف مزاج کا ہو اور بیوی کا شوہر کے ساتھ رہنا ناممکن ہو۔"

اور اس حوالے سے انہوں نے صحیح بخاری کی روایت جو ثابت بن قیس کے حوالے سے مذکور ہے اس سے استدلال کیا ہے حدیث گزر چکی ہے ۔اور اس کے بعد لکھا ہے:

---

1. ایضا

"مزاج میں ہم آہنگی یا اس کا فقدان ایسی چیزیں ہیں جن کے لیے کوئی پیمانہ مقرر کرنا بے حد مشکل کام ہے اور قانون میں اس ابہام کے سبب بعض اوقات غیر سنجیدہ اور بے حقیقت امور بھی انفساخ نکاح کے موجبات تصور کیا جاسکتا ہے۔ مغرب میں مزاج کے اختلاف کی کئی مضحکہ خیز صورتوں کو بھی وجہ طلاق بنائے جانے کی مثالیں سامنے آتی رہتی ہیں۔ اس لیے ایسی صورتوں میں خلع کا راستہ کافی تصور ہونا چاہیے"۔[1]

[1]۔ اسلامی نظریاتی کونسل، س، ر 99-1998 ادارہ تحقیقات اسلامی، جون 2000ء

بابِ سوم

اس مقالے کا یہ آخری باب ہے جس میں آیت خلع میں جو بنیادی لفظ ہےفإن خفتم اس کی مختلف تفاسیر سے تشریح بیان کی گئی ہےاور دونوں طرف کے دلائل کا موازنہ بھی کیا گیاہےاوراس کے ساتھ ساتھ ترجیح اور وجوہ ترجیح بھی بیان کیے گیے ہیں۔

❖فإن خفتم کی تشریح

امام قرطبیؒ اس آیت کی تشریح میں کہتے ہیں:

قوله تعالى: فإن خفتم ألا يقيما أي على أن لا يقيما. (حدود الله) أي فيما يجب عليهما من حسن الصحبة وجميل العشرة. والمخاطبة للحكام والمتوسطين لمثل هذا الأمر وإن لم يكن حاكما[1]

(اللہ تعالیٰ کا قول فإن خفتم ألا يقيما یعنی کہ اس بات پر خوف ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکتے جو ان دونوں پر لازم ہے حسنِ سلوک اوراچھا میل جول. اور (خفتم) میں خطاب حکام اوران درمیان کے لوگوں کو ہے جو ایسے معاملات حل کرتے ہیں اگرچہ وہ حاکم نہ ہو)

تفسیر روح البیان میں اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے:

فإن خفتم أيها الحكام [2]

(اگر تمہیں خوف ہوائے حکام)

ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں کہتے ہیں:

قوله تعالى: فإن خفتم

أخبرنا موسى بن هارون الطوسي فيما كتب إلي ثنا الحسين بن محمد المروذي، ثنا شيبان، عن قتادة فإن خفتم يعني: الولاة.ابن ابی حاتم[3]

---

1. قرطبیؒ،ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری،الجامع لاحکام القرآن،2 /128
2. اسماعیل حقی بروسوی،روح البیان،ص440
3. ابن ابی حاتم، ابو محمد عبدالرحمن بن محمد، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم،421/2

(اللہ تعالیٰ کا قول فإن خفتم ہمیں خبر دی موسی بن ہارون طوسی نے اس تحریر میں جو اس نے میری طرف لکھی تھی ہمیں بیان کیا حسین بن محمد مروذی نے ہمیں بیان کیا شیبان نے قتادہ سے روایت ہے فإن خفتم یعنی اس سے مراد حکام ہیں)

امام شوکانی اپنی تفسیر فتح القدیر میں اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں:

وقوله: فإن خفتم ألا يقيما حدود اللّه أي: إذا خاف الأئمة والحكام، أو المتوسطون بين الزوجين- وإن لم يكونوا أئمة وحكاما- عدم إقامة حدود اللّه من الزوجين، وهي ما أوجبه عليهما كما سلف[1]

(اور اللہ کا قول فإن خفتم ألا يقيما حدود اللّه یعنی جب آئمہ اور حکام اور اسی طرح زوجین کے درمیان مصالحت کرانے والوں کو (اگرچہ وہ آئمہ اور حکام میں شمار نہ ہوتے ہوں) زوجین کی جانب سے حدود اللہ کے عدم قیام کا خوف ہو اور یہ وہ چیزیں ہیں جو ان دونوں پہ لازم کی گئی ہے جیسے کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

❖ دلائل کا موازنہ

اگر ہم ان حضرات کے دلائل کا جائزہ لیں جن کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عورت کو خلع کا حق ملنا چاہیے اگر شوہر نہیں دیتا تو حاکم خود ہی اس کا فیصلہ سنا دے اگرچہ شوہر اس پر راضی نہ ہو تو انہوں نے کوئی خاص دلائل ذکر نہیں کیے سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ نے عورت کا خلع کے لیے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے کے لیے مندرجہ ذیل طریقے سے استدلال کیا ہے ''اگر عورت فدیہ پیش کرے اور مرد اس کو قبول نہ کرے تو اس صورت میں عورت کو عدالت کی طرف رجوع کرنے کا حق ہے۔ جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں فَإِنْ خفتم ألا يقيما حدود اللہ کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ اس آیت میں خفتم کا خطاب ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے اولی الامر ہی کی طرف ہے... اب اگر فی الواقع قاضی اس معاملے میں صرف سماعت کا اختیار رکھتا ہو، مگر مرد کے راضی نہ ہونے کی صورت میں اس سے اپنا فیصلہ منوانے کا اقتدار نہ رکھتا ہو، تو قاضی کو مرجع قرار دینا سرے سے فضول ہی ہوگا''۔ اگر ہم اس استدلال کا

1. شوکانی، محمد بن علی بن محمد، فتح القدیر، 311/1

تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حکام مخاطب تو ہیں اور ان کو مرجع بھی قرار دیا گیا ہے مگر یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ فیصلہ کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اگر ان کو فیصلے کا اختیار ہے تو کن دلائل کی بنیاد پر ہے اس کا سید مودودیؒ نے ذکر نہیں کیا ہے۔

علامہ یوسف القرضاوی نے ثابت بن قیسؓ کے واقعے سے استدلال کیا ہے مگر اس میں یہ صراحت نہیں کی کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے خود فیصلہ کر کے ان دونوں میں جدائی کی تھی یا ثابت کو کہا تھا کہ طلاق دے دو۔

اور اسی طرح عبدالعزیز بن بازؒ نے ایک حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نہ تکلیف اٹھاؤ اور نہ ہی کسی کو پہنچاؤ تو خلع نہ دینے پر عورت کو تکلیف پہنچ رہی ہے اس لیے اگر شوہر خلع نہیں دیتا تو حاکم خود تفریق کردے۔ مگر اس میں انہوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ کن دلائل کی بنیاد پر حاکم کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہو گا۔

اسی طرح وہ علمائے کرام جن کا نقطۂ نظر ان سے مختلف ہے وہ کہتے ہیں کہ قاضی کو خلع کے معاملے میں کوئی اختیار نہیں ہے اور انہوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے وہ کم و بیش ایک ہی طرح کے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ خلع ایک معاملے کی طرح ہے اور اس میں جانبین کی رضامندی ضروری ہے کوئی فریق کسی دوسرے کو اس حوالے سے مجبور نہیں کر سکتا اور نہ ہی کوئی تیسرا اس میں مداخلت کر سکتا ہے اور اس حوالے سے وہ استدلال اس طرح کرتے ہیں کہ خلع کا جہاں جہاں تذکرہ ہے وہاں میاں، بیوی دونوں کا ایک ساتھ ذکر ہے لہذا ان دونوں کی رضامندی بھی ضروری ہے۔ اور خلع کے فدیے کے حوالے سے جو لفظ افتداء آیا ہے یہ حضرات ابن قیم کے حوالے سے استدلال کرتے ہیں کہ افتداء اس وقت ہوتا ہے جب غلام اپنی آزادی کی قیمت ادا کرے اور اس میں دونوں فریق راضی ہوتے ہیں تبھی یہ معاملہ طے پاتا ہے لہذا یہاں پر بھی دونوں فریقین میاں اور بیوی کی رضامندی ضروری ہے۔ اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی نے فلا جناح علیھما کے الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ ''معمولی غور و فکر سے یہ بات سمجھ میں آسکتی کہ الفاظ اپنے ضمن میں شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی کا واضح مفہوم رکھتے ہیں' اور اس بات کو انہوں نے ایک مثال کے ذریعے واضح کیا ہے۔

اگر ان دلائل کے حوالے سے یہ بات کہی جائے کہ ضروری نہیں کہ جہاں دو افراد کا ایک ساتھ تذکرہ کیا جائے وہاں ان دونوں کی رضامندی بھی ہو۔ یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے کہ ہمیشہ جن دو فریقوں کا ذکر ایک ساتھ کیا جائے وہاں اس معاملے میں ان دونوں کی رضامندی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی طرح انہوں نے فلا جناح علیھما کے الفاظ سے جس طرح استدلال کیا ہے وہاں ضروری نہیں کہ وہاں شوہر اور بیوی دونوں ہی مراد ہو۔ ممکن

ہے کہ یہاں پر صرف بیوی کا تذکرہ مقصود ہو کیونکہ پچھلی آیت میں جس طرح شوہر کو معاوضہ لینے سے روکا گیا ہے تو اسی طرح یہاں یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے کہ بیوی کے لیے معاوضہ دینا جائز ہے یا نہیں تو اس اشکال کا جواب دیا جارہا ہے کہ بیوی دے سکتی ہے البتہ ایک سلسلہ چل رہا ہے تو اسی میں شوہر کا بھی ذکر کردیا ہو قرآن میں اس طرح کی مثالیں موجود ہیں مثلا موسیٰؑ اور اس نوجوان کا تذکرہ جوان کے ساتھ تھا اور ایک مقام پر پہنچ کر وہ مچھلی بھول گیا مگر اللہ تعالیٰ نے بھولنے کی نسبت ان دونوں کی طرف کی ہے فرمایا﴿ نسیا حوتہما ﴾(الکہف: 61)وہ دونوں مچھلی بھول گئے۔

ابنِ کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ونسب النسيان إليهما وإن كان يوشع هو الذي نسيه

بھولنے کی نسبت ان دونوں کی طرف کی گئی ہے اگرچہ بھولے تو یوشع تھے[1]۔

اور اسی طرح انہوں نے لفظ افتداء سے استدلال کیا ہے اور کہا ہے کہ 'افتداء میں جانبین کی رضامندی سے ہی معاملہ طے پاتا ہے'۔

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں پر بھی ضروری نہیں کہ افتداء میں جانبین کی رضامندی ضروری ہو قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر اس لفظ کا استعمال ہوا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَماتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ مِلْءُ الْأَرْضِ ذَهَباً وَلَوِ افْتَدى بِهِ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے تو ان میں سے اگر کوئی زمین کے برابر سونا بھر کر (عذاب سے چھٹکارے کے لیے) فدیہ دے تو ان سے یہ ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا[2]۔

اس آیت میں وہی لفظ آیا ہے جو آیت خلع میں تھا مگر یہاں پر ایک جانب سے بخوشی معاوضہ دینے کا اظہار ہے تو دوسری جانب سے عدمِ رضامندی کا اظہار ہے۔ تو آیتِ خلع میں اسی لفظ کو لے کر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ دونوں جانب کی رضامندی ضروری ہے اور دوسری جانب سے عدم رضامندی کی وجہ سے فیصلہ نہیں ہوسکتا حالانکہ وہاں پر تو صرف عورت کا ذکر ہے؟ اگر یہاں کوئی یہ اشکال پیش کرے کہ مذکورہ بالا آیت میں صراحتا دوسری طرف سے عدمِ رضامندی کا اعلان ہے اور آیت خلع میں ایسا نہیں ہے لہذا اس سے استدلال ٹھیک نہیں ہے۔ تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ جب خلع میں نزاع

1۔ ابن كثير، إسماعيل بن عمر(م:774هـ)، تفسير ابن كثير،تفسير آيت 61 سورة الكهف، دار طيبة للنشر والتوزيع1420هـ – 1999

2۔ آل عمران3: 91

اور جھگڑے کی بات آگئی اور حکام کو بھی اس مسئلے میں شامل کر کے فیصلے کا اختیار دیا ہے تو پھر ظاہر سی بات ہے وہ جو فیصلہ کریں گے وہ ایک فریق کے لیے باعث اطمینان ہو گا اور دوسرے فریق کو لا محالہ اپنی رضامندی کے بغیر اس کو قبول کرنا پڑے گا۔اور یہ بات کہ خلع میں فیصلے کی بات کہاں سے آگئی اور احادیث میں یہ واقعہ جو مذکور ہے کیا وہ قضا سے متعلق تھا؟ تو اس کا جواب بھی ہمیں اس حدیث سے ملتا ہے جو امام قرطبیؒ نے دار قطنی کے حوالے سے نقل کی ہے کہ وہ ایک فیصلہ تھا نہ کہ مشورہ جب ثابت بن قیس تک اس فیصلے کی خبر پہنچی تو ان کے الفاظ یہ تھے:

فلما بلغ ذلك ثابت بن قيس قال: قد قبلت قضاء رسول اللّه صلّى اللّه عليه وسلم[1]

(جب ثابت بن قیس تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو قبول کر لیا) حتیٰ کے حدیث میں آتا ہے کہ ثابت اپنی بیوی سے شدید محبت کرتے تھے اور وہ ان سے شدید نفرت کرتی تھی فيقال: إنها كانت تبغضه أشد البغض وكان يحبها أشد الحب ففرق رسول الله صلى الله عليه وسلم بينهما بطريق الخلع[2] پس کہا گیا ہے کہ وہ (ثابت کی بیوی) اپنے شوہر سے شدید نفرت کرتی تھی اور ثابت اس سے شدید محبت کرتا تھا پس رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان خلع کے ذریعے جدائی کر دی) اور امام شوکانی نے تو دار قطنی کے حوالے سے جو الفاظ نقل کیے ہیں وہ تو صراحت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خود ہی وہ معاوضہ وصول کر کے ثابت کی بیوی کو جانے دیا حدیث کے الفاظ ہیں: فأخذها له وخلى سبيلها[3] (پس نبی کریم ﷺ نے وہ معاوضہ ثابت کے لیے لے لیا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا)

اب اگر یہ مشورہ ہوتا یا فریق ثانی کی رضامندی اتنی ہی ضروری ہوتی کہ اس کے بغیر فیصلہ نہ ہو سکے تو پھر انہوں نے اس کو قبول کیوں کیا وہ انکار کر سکتے تھے ایسا ہے ایک مقدمہ بریرہؓ اور ان کے شوہر مغیثؓ کا نبی کریم ﷺ کے جناب میں پیش ہوا تھا وہاں رسول اللہ ﷺ نے بریرہؓ کو فرمایا تھا کہ تم مغیث سے نکاح نہ توڑو مگر وہ نہ مانی اس لیے کہ یہاں پر نبی کریم ﷺ نے ان کو مشورہ دیا تھا اور رشتہ قائم رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار بریرہؓ کو تھا۔

1۔ قرطبیؒ، ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن، 2/ 129

2۔ ایضاً

3۔ شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، 5/259

❖ کیا یہ فسخِ نکاح ہے یا طلاق

علمائے کرام کا اس باب میں اختلاف ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے یا طلاق احناف، مالکیہ اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خلع طلاق ہے۔ امام احمد بن حنبل اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح کے حکم میں ہے۔

احناف کی رائے

مبسوط میں لکھا ہے

وإذا اختلعت المرأة من زوجها فالخلع جائز والخلع تطليقة بائنة عندنا[1]

(جب بیوی اپنے شوہر سے خلع لے تو خلع لینا جائز ہے اور ہمارے نزدیک خلع ایک طلاقِ بائنہ ہے)

مالکیہ کی رائے

مالکیہ کی مشہور کتاب المدونۃ میں لکھا ہے

قلت: ويكون الخلع ههنا تطليقة بائنة في قول مالك؟

قال: نعم[2]

(سحنون کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کیا یہاں پر خلع طلاق بائن شمار ہو گی امام مالک کے قول کے مطابق؟
انہوں نے جواب دیا: ہاں

شافعیہ کی رائے

المہذب میں لکھا ہے:

ويصح الخلع بلفظ الخلع والطلاق فإن خالعها بصريح الطلاق أو الكناية مع النية فهو طلاق لأنه لا يحتمل غير الطلاق وإن خالعها بصريح الخلع نظرت لأنه لم ينوبه الطلاق ففيه ثلاثة أقوال: أحدها أنه لا يقع به

1۔ سرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، المبسوط، 3/ 199

2۔ مالک بن انس، المدونہ، 2/ 241

فرقة وهو قوله في الأم لأنه كناية في الطلاق من غير نية فلم يقع بها فرقة كما لو عريت عن العوض والثاني أنه فسخ وهو قوله في القديم لأنه جعل للفرقة فلا يجوز أن يكون طلاقاً لأن الطلاق لا يقع إلا بصريح أو كناية مع النية والخلع ليس بصريح في الطلاق ولا معه نية الطلاق فوجب أن يكون فسخاً والثالث أنه طلاق وهو قوله في الإملاء وهو اختيار المزني لأنها إنما بذلت العوض للفرقة والفرقة التي يملك إيقاعها هي الطلاق دون الفسخ فوجب أن يكون طلاقاً[1]

(اور خلع درست ہو گا لفظ خلع اور طلاق کے ذریعے اگر اس نے طلاق کے صریح لفظ سے یا کنایہ لفظ جس سے طلاق کی نیت بھی کی گئی ہو خلع کی تو وہ طلاق شمار ہو گی اس لیے کہ وہ طلاق کے علاوہ کسی اور کا احتمال نہیں رکھتا اگر اس نے خلع کے صریح لفظ سے ہی خلع کیا تو اس میں احتمالات ہیں اس لیے کہ اس میں طلاق کی نیت نہیں کی گئی پس اس میں تین قول ہیں اس میں سے ایک یہ کہ اس سے جدائی واقع نہیں ہو گی اور یہ ان (امام شافعیؒ) کا قول کتاب الام میں موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر نیت کے طلاق میں کنایہ ہے اور اس کچھ بھی واقع نہیں ہوتا جیسے کہ طلاق کا عوض سے خالی ہونا۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ فسخ ہے اور یہ ان کا قولِ قدیم ہے اس لیے کہ خلع کو جدائی کے لیے وضع کیا گیا ہے تو اس سے یہ جائز نہیں ہے کہ ہم طلاق مراد لیں اس لیے کہ طلاق واقعہ ہوتی ہے تو طلاق کے صریح لفظ سے یا کنایہ لفظ سے جس میں طلاق کی نیت بھی کی گئی ہو اور لفظ خلع نا تو طلاق میں صریح ہے اور نہ ہی کنایہ مستعمل ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ اس سے نکاح فسخ ہو۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ خلع طلاق ہے اور ان کا یہ قول املاء [جو انہوں نے اپنے شاگرد کو لکھوایا ہو] میں موجود ہے اور اس کو مزنی نے اختیار کیا ہے اس لیے کہ یہاں جدائی کے لیے مال خرچ کیا گیا ہے اور وہ جدائی جس کو لازم کرنے کا مرد کو اختیار ہو وہ طلاق ہوتی ہے نا کہ فسخ پس لازم ہے کہ وہ طلاق شمار ہو۔)

حنابلہ کی رائے

المغنی میں لکھا ہے:

قال : والخلع فسخ في إحدى الروايتين والأخرى انه تطليقه بائنة اختلفت الرواية عن أحمد في الخلع ففي إحدى الروايتين انه فسخ وهذا اختيار أبي بكر وقول ابن عباس و طاوس و عكرمة و إسحاق و أبي ثور واحد قولي الشافعي

1۔ شیرازی، ابو اسحاق ابراہیم بن علی، المہذب، 6.5/3

والرواية الثانية : انه طلقة بائنة روي ذلك عن سعيد بن المسيب، والحسن، وعطاء، وقبيصه، وشريح، ومجاهد، وأبي سلمه بن عبد الرحمن، والنخعي، والشعبي، والزهري، ومكحول، وابن أبي نجيح، ومالك، والأوزاعي، وأصحاب الرأي وقد روي عن عثمان وعلي وابن مسعود لكن ضعف أحمد الحديث عنهم وقال : ليس لنا في الباب شيء اصح من حديث ابن عباس انه فسخ[1]

(کہتے ہیں: خلع دو روایتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ فسخ ہے اور دوسری یہ کہ وہ ایک طلاق بائن ہے

خلع کے حوالے سے امام احمد سے مختلف روایات منقول ہیں ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ فسخ ہے اور اس کو ابو بکر نے اختیار کیا ہے اور یہی ابنِ عباسؓ طاوس، عکرمہ، اسحاق، ابو ثور اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کا مذہب ہے۔ اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ طلاق بائن ہے یہ مذہب روایت کیا گیا ہے سعید بن مسیب، حسن، عطاء، قبیصہ، شریح، مجاہد، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، نخعی، شعبی، زہری، مکحول، ابن ابی نجیح، مالک، اوزاعی، اصحاب رائےؒ، اور اسی طرح روایت کیا گیا ہے عثمان، علی، ابن مسعودؓ سے لیکن انہوں نے جو حدیث نقل کی ہے امام احمد نے اسے ضعیف قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ ہمارے لیے اس مسئلے میں ابنِ عباس کی حدیث کے علاوہ کہ خلع فسخ ہے کوئی اور حدیث صحیح نہیں ہے۔)

❖ عدالت کا دائرہ اختیار

لوگوں نے اسلامی عدالت کا دائرہ کار بہت محدود سمجھ لیا ہے اور انہیں مخصوص اختیارات دیے ہیں کہ یہاں تک ان کا دائرہ اختیار ہے حالانکہ اسلامی ریاست میں عدالت کا دائرہ اختیار بہت وسیع ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحديد: 25)

(تحقیق ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور المیزان کا اتارا تاکہ وہ لوگوں کو انصاف پہ قائم رکھے)

جب انبیا ورسل کا سلسلہ ختم ہو گیا تو اب یہ کام ان کے وارثوں کا ہے کہ لوگوں میں عدل قائم کریں الکتاب یعنی کہ قرآن مجید کے مطابق فیصلے کریں۔

1۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد، المغنی، 10 / 274

انصاف پہ قائم رکھنے کا مطلب کیا ہے امام قرطبیؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

﴿لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ: أي بالعدل في معاملاتهم﴾[1]

(لوگوں کو انصاف پہ قائم رکھتے ہیں یعنی ان کے معاملات میں عدل کرتے ہیں۔)

اگر ہم خلع کو نجی اور شخصی معاملہ کہہ کر عدالت کو اس سے علیحدہ کر دیں تو پھر اس میں متاثرہ فریق کہاں جا کے انصاف طلب کرے گا کچھ معاملات ایسے ہوتے ہیں جو ایک حد پہ جا کے نجی اور شخصی نہیں رہتے بلکہ وہ اجتماعی شمار ہوتے ہیں مثلاً کسی نے اپنی وراثت میں کوئی ایسی چیز چھوڑی ہو جو ناقابل تقسیم ہو اور اس کے ایک سے زائد ورثا ہیں اب ان میں سے ہر وارث نہ اس کو استعمال کرتا ہے اور نہ ہی اسے دوسرے فریق کو بیچتا ہے اور وہ چیز ایسی ہے کہ جب تک وہ دونوں اسے استعمال نہیں کرتے اس وقت تک وہ بیکار ہے اور پڑی پڑی اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے اب کیا یہاں پر اسلامی حکومت کو اختیار نہیں ہے کہ اس چیز کو ضائع ہونے سے بچائے اور اسے قابل استعمال بنائے یقیناً اسلامی حکومت اس کا حق رکھتی ہے کہ اس چیز کو ضائع ہونے سے بچائے تو اس صورت میں وہ از خود نوٹس (somoto action) لے گی اور ورثا کو اس معاملے کو حل کرنے کی تاکید کرے گی اگر اس کے باوجود وہ اپنے مسئلے کو خود حل نہیں کرتے تو عدالت اس چیز کو بیچ دے گی اور اس کی قیمت ورثا کے درمیان تقسیم کر دی جائے گی۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ألا كلّكم راع وكلكم مسئول عن رعيته فالإمام الذي على الناس راع وهو مسئول عن رعيته[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سنو تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور اس سے اپنی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا پس وہ امام جو لوگوں پر مقرر کیا گیا ہے نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

1-قرطبی، محمد بن احمد الانصاری قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، 260/9

2- بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الاحکام، ص1229ح7138

قرآن مجید میں اسلامی اجتماعیت کے متعلق آیا ہے﴿ لاَّ خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتَغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْراً عَظِيماً﴾ (النساء:114)

(لوگوں کی سرگوشیوں میں سے اکثر بھلائی کی نہیں ہوتی مگر یہ کہ جو صدقے کا حکم دے یا معروف کی بات کرے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کرے اور جو اللہ کی رضا کے حصول کے لیے یہ کام کرے گا پس عنقریب ہم اسے اجر عظیم سے نوازیں گے)

جب تنازعات میں اسلامی عدالت فیصلے کرتی ہے اور ان کے درمیان انصاف کرتی ہے تو یہ بھی اصلاح بین الناس کا کام ہے اور اس کو اس حوالے سے زیادہ حق حاصل ہے اس لیے کہ اس کے پاس قوت نافذہ بھی ہے اور یہ اجر عظیم کے حصول کا ذریعہ بھی ہے۔

ترجیح:

جب میاں، بیوی میں آپس کے اختلافات پیدا ہو جائیں اور انہیں ازدواجی تعلق کے ٹوٹنے کا خدشہ ہو تو سب سے پہلے وہ خود اس مسئلے کو حل کریں اگر پھر بھی وہ اس کا حل تلاش کرنے میں ناکام رہیں تو پھر قوت فیصلہ کے مالک دو اشخاص ایک شوہر کے خاندان سے اور ایک بیوی کے خاندان سے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے عدالت مقرر کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِما فَابْعَثُوا حَكَماً مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَماً مِنْ أَهْلِها إِنْ يُرِيدا إِصْلاحاً يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُما إِنَّ اللَّهَ كانَ عَلِيماً خَبِيراً ﴾(النساء: 35) (اگر تمہیں میاں، بیوی کے درمیان جھگڑے کا اندیشہ ہو تو ایک فیصلہ کرنے والا شوہر کے خاندان سے اور ایک فیصلہ کرنے والا بیوی کے خاندان سے مقرر کرو اگر یہ دونوں اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو اللہ ان دونوں کے بیچ موافقت پیدا کر دے گا بے شک اللہ جاننے والا اور باخبر ہے) اگر مسئلہ اس سے بھی بڑھ گیا ہو تو پھر عدالت اس میں اپنا کردار ادا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلاَّ يُقِيما حُدُودَ اللَّهِ فَلا جُناحَ عَلَيْهِما فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) (اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت اس کو کوئی معاوضہ دے کر اپنے آپ کو اس سے جدا کر لے) لیکن عدالت کو بھی مکمل تحقیقات کے بعد ہی اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ کوئی مقدمہ دائر ہو اور عدالت بغیر تحقیق اور شوہر کو اطلاع کیے اس بارے میں کوئی فیصلہ سنا دے۔

اگر قاضی(judge) کے پاس مقدمہ آتا ہے تو قاضی شوہر کو حکم دے کہ اس کو خلع دے دے اگر شوہر اس کو تسلیم کر لیتا ہے اور خلع دیتا ہے تو وہ طلاق شمار ہو گی اگر نہ دے تو قاضی کو اس پر زبردستی خلع دلوانے کا حق حاصل ہے امام شوکانی لکھتے ہیں:

قال في الفتح : هو أمر إرشاد وإصلاح لا إيجاب ولم يذكر ما يدل على صرف الأمر عن حقيقته[1]

(فتح الباری میں لکھا ہے، نبی کریم ﷺ کے الفاظ صلح مشورے کے لیے تھے نہ کہ وجوب کے لیے(شوکانی کہتے ہیں) لیکن ابن حجر نے ان اسباب کا ذکر نہیں کیا جو الفاظ وجوب کو اپنی حقیقت سے پھیر دے)

اور آگے چل کے لکھتے ہیں:

وظاهر أحاديث الباب أن مجرد وجود الشقاق من قبل المرأة كاف في جواز الخلع[2]

(اور متعلقہ مسئلے میں وارد حدیث کے الفاظ اس بات پر ظاہر ہیں کہ صرف عورت کی طرف سے جھگڑے کا پیدا ہو جانا خلع کے جواز کے لیے کافی ہے)یعنی امام شوکانی کے نزدیک اگر شوہر کو خلع کی پیشکش کی جائے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کو قبول کرے کیونکہ احادیث کے الفاظ حکمیہ ہیں اور اس کو ماننا ضروری ہے اور صرف عورت کی طرف سے جھگڑے کا اندیشہ جواز خلع کے لیے کافی ہے۔اور اگر شوہر یہ نہیں مانتا تو قاضی اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے ان میں تفریق کر دے اور یہ صورت فسخ نکاح کی ہو گی۔ کیونکہ شوہر کو بیوی اپنے سے جدا کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس حق کو استعمال کرتا ہے تو وہ طلاق شمار ہو گی اور اگر قاضی اپنے اختیارات سے ان کے درمیان جدائی کرتا ہے تو وہ تفریق شمار ہو گی۔امام ابو ثورؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ اگر طلاق کے الفاظ کا استعمال ہو تو وہ طلاق شمار ہو گی اور اگر بغیر الفاظ طلاق جدائی ہو تو وہ تفریق شمار ہو گی۔

وقال أبو ثور : إذا لم يسم الطلاق فالخلع فرقة وليس بطلاق ، وإن سمى تطليقة فهي تطليقة[3]

(ابو ثور نے کہا ہے: جب الفاظ طلاق کا ذکر نہ کیا جائے تو خلع جدائی شمار ہو گی اسے طلاق شمار نہیں کی جائی گی اور اگر طلاق کی صراحت ہو تو وہ طلاق ہو گی)۔اور اسی طرح احادیث میں وارد مختلف الفاظ۔طلقها، فارقها، خل سبيلها، ففرق بينهما، فأخذها له وخلى سبيلهاا سے

---

1. شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، 261/5

2. ایضا

3. قرطبیؒ، ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن، 2/ 132

طلاق دے دو، اس کو جدا کر دو، اس کا رستہ چھوڑ دو، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور رسول اللہ ﷺ نے وہ مال ثابت کے لیے لے لیا اور اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ میں بھی اس کی گنجائش موجود ہے کہ ہم اس صورت پر عمل کر سکیں۔

دیگر وجوہِ ترجیح :

1) اسلام کے وجود کے وقت عرب میں مختلف قسم کے معاہدات ہوتے تھے اسلام نے ان معاہدات میں سے کچھ برقرار رکھے کچھ کو ختم کیا اور کچھ میں اصلاحات کیں۔ نکاح بھی ایک معاہدے کی طرح ہوتا تھا اور اس وقت عرب اپنی بیویوں کو تنگ کرنے کے لیے طلاق دیتے اور پھر اس کی عدت گزرنے سے پہلے رجوع کرتے اور ان طلاقوں کی کوئی حد مقرر نہیں تھی اور عورت کے لیے اس معاہدے کو خاتم کرنے کے لیے اختیارات نہ ہونے کے برابر تھے اسلام نے اس کی اصلاح کی اور عورت کو اس ظلم سے نجات دی اور طلاق کو محدود کر کے اسے بھی خلع کا حق دیا آیات طلاق کا سیاق وسباق یہی ہے۔ ایسا عقد و معاہدہ جس میں ایک فریق کو اتنے وسیع اختیارات ہوں کہ وہ جب چاہے اس کو ختم کر سکتا ہو اور دوسرے فریق کو ایسا کوئی اختیار حاصل نہ ہو اور اگر یہ حق دیا بھی جائے تو وہ دوسرے فریق کی رضامندی سے مشروط ہو اسلام کی تعلیمات سے ہم آہنگ نہیں ہے۔ اسلام نے نکاح کے وقت لڑکے اور لڑکی دونوں کی رضامندی کو ضروری خیال کیا ہے اور اگر اس کے بعد بھی جب کبھی شوہر اپنی بیوی کو چھوڑنا چاہے تو اسے شرعی عذر کی موجودگی سے ایسا کرنے کا اختیار ہے اور اس میں بیوی کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا تو اسی طرح بیوی کو بھی ایسا اختیار ہونا چاہیے اور شریعت نے دیا بھی ہے کہ وہ اگر علیحدہ ہونا چاہے تو ایسا کر سکتی ہے اور اگر اس حق کو بھی ہم شوہر کی رضامندی سے مشروط کر دیں تو اس وقت جب شوہر اس پر راضی نہ ہو اس حق کا کیا فائدہ یہ تو ایسے ہی ہے کہ آپ کسی کی ملکیت میں کوئی چیز دیں اور پھر اس کے استعمال کا حق اپنے پاس رکھیں ایسے معاہدات تو شریعت کی نگاہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

2) جب عورت کے نان ونفقہ وغیرہ کے حقوق شوہر ادا نہ کرے تو حاکمِ وقت زبردستی شوہر کو ان حقوق کی ادائیگی کا پابند کر سکتا ہے (اختلافی صورت ہے لیکن عدالت کو پابند کرنے کا حق حاصل ہونا چاہیے) اس لیے کہ حاکم وقت کو اس کے اختیارات حاصل ہیں اور اس میں شوہر کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا اسی طرح خلع بیوی کا حق ہے اس لیے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس یہ مقدمات پیش ہوئے تو اس میں نبی کریم ﷺ نے

شوہر سے نہیں پوچھا کہ تم اس پر راضی ہو بلکہ شوہر کو حکم دیا کہ تم اسے خلع دے دو البتہ بیوی سے یہ ضرور پوچھا کہ کیا تم اس کا دیا ہوا حق مہر واپس کر دو گی قال رسول اللّه صلى الله عليه وسلم: «أتردين عليه حديقته؟» قالت: نعم(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس کا باغ اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا کہ جی ہاں)اور اگر اس حق کو شوہر کی رضامندی سے مشروط کیا جائے تو بھی شوہر اس مطالبے کو پورا کرنے کا پابند ہے اب اگر وہ اس حق کو ادا نہیں کرتا تو حاکم وقت جب اس کے پاس یہ مقدمہ آئے اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے ان دونوں کے بیچ تفریق کر دے جب کہ اس حوالے سے نصوص بھی ہوں جن سے ہم استدلال کر سکتے ہوں۔ اگر ان نصوص میں شوہر کی رضامندی کو ثابت بھی کیا جائے تو وہ کوئی واضح استدلال نہیں ہے ایک احتمالی صورت ہے اسی طرح یہاں پر شوہر کی عدم رضامندی کا بھی احتمال ہو سکتا ہے جب کہ بعض صیغے اور قرائن اس پر دلالت بھی کر رہے ہوں مثلا: قد قبلت قضاء ﷺ - وكان يحبها أشد الحب

3) اسلامی فقہ میں ایک فقہی قاعدہ ہے:

الضرر الأشد يزال بالضرر الأخف[1]

بڑے نقصان کو چھوٹے نقصان سے دور کیا جائے گا

بیوی کو خلع کا حق اور قاضی کو تفریق کا حق نہ دینے اور خلع کو شوہر کی رضامندی سے مشروط کرنے کی صورت میں حدود اللہ کے عدمِ قیام کا نقصان واقع ہو رہا ہے جو معمولی بات نہیں کہ ہم اسے شوہر کی رضامندی سے مشروط کریں۔ بالفرض اگر ہم شوہر کی رضامندی کو خلع کا لازمی جز مان لیں تو یہاں پر حدود اللہ اور شوہر کی رضامندی آپس میں ٹکرا رہی ہے اور اس صورت میں حدود اللہ کی رعایت رکھی جائے گی اور شوہر کی رضامندی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا لہذا یہاں پر نقصان عظیم (حدود اللہ کے عدم قیام) سے بچنے کے لیے اس چھوٹے نقصان (شوہر کی رضامندی کے بغیر فیصلے) کو قبول کر لیا جائے گا۔

---

1. درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، علی حیدر، 40/1

ماخذ و مصادر

1-ابن منظور، محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، دار صادر بیروت 8/ 76

2-ابنِ عابدین، محمد بن علی الحصکفی، حاشیه ابنِ عابدین، دار المعرفۃ بیروت 2011ء۔1432ھ 5/ 87۔88

3۔ مختصر خلیل، خلیل بن إسحاق مالکی مصری (متوفی: 776ھ) دار الحدیث/ قاہرۃ 1426ھ . 2005

4۔ شمس الدین، محمد بن احمد خطیب شربینی شافعی، مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج (متوفی: 977 ہ) دار الکتب العلمیۃ 1415 ہ. - 1994م 4/430

5۔ بہوتی، منصور بن یونس بن صلاح الدین، کشاف القناع عن متن الإقناع ، باب الخلع (متوفی 1051ھ)، دار الاحیاء التراث العربی بیروت، 1420 -5/1990 229

6۔ ابنِ ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، باب المختلعة يأخذ ما أعطاها، سنن ابنِ ماجہ، ح 2057 ص 294

7۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، باب الخلع وكيف الطلاق فيه، الجامع الصحیح للبخاری، ح 5273، ص 943

8۔ ابن رشد، محمد بن احمد، بداية المجتهد و نهاية المقتصد، دار ابنِ حزم 2012ء۔1433ھ، 3/ 950

9۔ ابنِ ماجہ، محمد بن یزید قزوینی، ابواب الطلاق، سنن ابنِ ماجہ، ح 2018، 289

10۔ ترمذی محمد بن عیسٰی، باب ماجاء فی المختلعات، سنن ترمذی، ح 1186 ص 379

11-ایضا

12- ابن الھمام، کمال الدین محمد بن عبد الواحد (متوفی: 861ھ) فتح القدير، كتاب الطلاق، دار الفکر، 3 / 465

13- خطیب شربینی، شمس الدین محمد بن احمد شافعی (متوفی: 977 ھ.) مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج دار الکتب العلمیۃ 1415 ھ. – 1994م 4/ 430

14- حافظ ابن حجر عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، دار نشر الکتب الاسلامیہ، 1410ھ۔1981، 9/396

15- ابن قدامة،ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغني لابن قدامة، هجر القاهرة1413 ھ. -1992م 270/10

16-سرخسی،ابو بکر محمد بن احمد، المبسوط، باب الخلع،3 /199

17-الرملی، محمد بن ابی العباس ، نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، دارالکتب العلمیہ1414ھ1993ء6/ 393

18-زیباری،عامر سعید،احکام الخلع فی الشریعۃ الاسلامیہ، صفحہ78

19-قرطبیؒ،ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری،الجامع لاحکام القرآن،دارالفکر بیروت،1415ھ-1995 2 /128

20-مودودیؒ،سید ابوالاعلیٰ، حقوق الزوجین،ادارہ ترجمان القرآن، صفحات64-65-72-74-75-76-78- اکتوبر2013ء

21-http://www.qaradawi.net/fatawaahkam/30/4095-2012-02-17-06-46-28.html

22-محدث،شمارہ11نومبر2010صفحہ57-60-61

23- عثمانی، محمد تقی عثمانی،اسلام میں خلع کی حقیقت،خلاصہ146-157اور182-183میمن اسلامک پبلیشرز

24- بینات،شمارہ6 جون2009ء

25-ابن باز،عبدالعزیز بن عبداللہ، مجموع فتاویٰ و مقالات متنوعہ، باب الخلع ،الرئاسۃ العامۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء الریاض،1427ھ-2006ء

21/ 259

26- http://fatwa.banuri.edu.pk/masla/shohar-ki-rizamandi-k-baghair-adalat-ka-khula-dena/2012-05-27 فتوی نمبر،808

27- The all Pakistan legal decisions p.l.d 1967 page114 -122

28- ایضا

29- اسلامی نظریاتی کونسل،س،ر99-1998ادارہ تحقیقات اسلامی،جون2000ء

30-قرطبیؒ ،ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری،الجامع لاحکام القرآن،دارالفکر بیروت،1415ھ-1995 2 /128

31۔ اسماعیل حقی بروسوی، روح البیان، داراحیاء التراث العربی، 1421ھ-2001ص440

32۔ ابن ابی حاتم، ابو محمد عبدالرحمن بن محمد بن ادریس، تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم، المکتبۃ المصریۃ بیروت، 1419/1999ء421/2

33- شوکانی، محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ (متوفی: 1250ء) فتح القدیر، دارالکتاب العربی بیروت، 1999۔1420ھ311/1

34۔ قرطبیؒ، ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن، دارالفکر بیروت، 1415ھ-1995 2 /129

35۔ ایضاً

36 - شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، کتاب الخلع، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1420/1999ء259/5

37– سرخسی، ابو بکر محمد بن احمد، المبسوط، باب الخلع، 3 /199

38- مالک بن انس، (متوفی: 179ھ) .، المدونة، دار الکتب العلمیة 1415 ھ. – 1994ء 2 /241

39۔شیرازی، ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی، المہذب فی فقہ الامام الشافعی، دارالمعرفہ بیروت، 1424/2003ھ3/6.5

40۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد متوفی: 620ھ، ہجر القاہرہ، 1413ھ- 1991ء، 10 / 274

41۔ قرطبیؒ، محمد بن احمد الانصاری قرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث العربی بیروت 1966، 260/9

42۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، کتاب الاحکام، صفحہ 1229 حدیث 7138

43۔ شوکانی، محمد بن علی، نیل الاوطار، کتاب الخلع، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1420/1999ء261/5

44- ایضا

45- قرطبیؒ، ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری، الجامع لاحکام القرآن، دارالفکر بیروت، 1415ھ۔1995 2 /132

46-درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام، علی حیدر، المکتبۃ العربیہ کانسی روڈ کوئٹہ، 40/1

47۔ابوزہرہ، الاحوال الشخصیۃ، دارالفکر العربی، 1377ھ/1957ء